بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الصلٰوۃ و السلام علیك یا رسول اللّٰہ ﷺ

اسلام کا نظام عدل

خطاب:

سیاح ایشیا و یورپ حضور مفکر اسلام

حضرت علامہ قمر الزماں خان اعظمی صاحب قبلہ

پیش کش:

ادارہ معارف اسلامی

۱۳۲/کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳

ناشر:

مکتبۂ طیبہ

۱۲۶/کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳

جملہ حقوق بہ حق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	:	**اسلام کا نظام عدل**
خطاب	:	حضور مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں خاں اعظمی
		(بہ موقع: عالمی سالانہ اجتماع، ۳۰/۳۱/اکتوبر ۲۰۱۰ء)
نظر ثانی	:	مولانا مظہر حسین علیمی (جامعہ غوثیہ، ممبئی)
اشاعت باراول	:	
پیش کش	:	ادارۂ معارف اسلامی، ۱۳۲/کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳
ناشر	:	مکتبۂ طیبہ، ۱۲۶/کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔ ۳

ملنے کے پتے:

پیش گفتار

حضور مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں خاں اعظمی (سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن، لندن) کی شخصیت عوام وخواص میں ایک عظیم داعی ومفکر کی حیثیت سے متعارف ہے۔آپ کے فکر انگیز خطابات قلوب واذہان میں ولولہ انگیزی کرتے ہیں اور آپ کی زبان سے ادا ہونے والے جملے دعوت فکر وعمل پیش کرتے ہیں۔حاصل یہ کہ آپ کی زبان حق ترجمان سے ادا ہونے والے کلمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

زیر نظر کتاب ''اسلام کا نظام عدل'' حضور مفکر اسلام کے فکر انگیز خطاب کا مجموعہ ہے، آپ کا یہ خطاب تحریک سُنّی دعوتِ اسلامی کے بیسویں سالانہ اجتماع (منعقدہ آزاد میدان، ۲۰۱۰ء) میں ہوا تھا، جسے ادارۂ معارف اسلامی کتابی شکل میں پیش کرنے کا شرف حاصل کررہا ہے۔امید ہے کہ قارئین اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

اخیر میں دعا گو ہوں کہ اللہ عزوجل حضور مفکر اسلام کا سایہ ہم پر دراز فرمائے، ان کی ذات سے ہمیں بھرپور استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ادارۂ معارف اسلامی اور تحریک سُنّی دعوتِ اسلامی کو روز افزوں ترقیاں عطا فرمائے، امیر تحریک کو عمر دراز عطا فرمائے اور ادارے کے اراکین کو بہ ہمیں طور خلوص کے ساتھ خدمت دین کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ادارۂ معارف اسلامی

۱۳۲/کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔۳

سب نے مل کر کے کہا قمر الزماں خاں اعظمی

عاشق شاہ ہُدیٰ قمرالزماں خاں اعظمی
سرورِ دیں کی عطا قمر الزماں خاں اعظمی

آپ کے ماتھے پہ ہم کو صاف آتی ہے نظر
نور ایماں کی ضیا قمر الزماں خاں اعظمی

مصطفیٰ کے، غوث کے، احمد رضا کے با یقیں
با وفا ہیں با وفا قمر الزماں خاں اعظمی

دیکھ کر خدمت تمہاری مفتیِ اعظم کا بھی
گلشنِ دل کھل اٹھا قمر الزماں خاں اعظمی

حافظِ ملت سے لے کر کے ضیا پھر آپ نے
دہر کو چمکا دیا قمر الزماں خاں اعظمی

کون ہے جو پاسباں ہے دین کا اس دور میں
سب نے مل کر کے کہا قمر الزماں خاں اعظمی

پیکرِ علم وعمل ہیں اور ہیں تقوی شعار
حق نگر اور حق نما قمر الزماں خاں اعظمی

آپ کے دم سے ہے قائم ''ورلڈ اسلامک مشن''
جو ہے دیں کا آئینہ قمر الزماں خاں اعظمی

''سُنّی دعوت'' آپ ہی کی سرپرستی میں چلے
ہے یہ میری التجا قمر الزماں خاں اعظمی

آپ کا سایہ رہے تادیر ہم پر بس یہ ہے
قلب سرورؔ کی دعا قمر الزماں خاں اعظمی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo
اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی
وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِo
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُo

حضور استاذ الاساتذہ شیخ المعقول والمنقول حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی، حضرت مولانا شاکر علی رضوی (امیر سنی دعوتِ اسلامی)، محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ، حضرت علامہ نسیم اشرف صاحب قبلہ، علمائے باوقار، عزیزان ملت اسلامیہ، قابل احترام بزرگو اور دوستو! آیئے ہم اور آپ انتہائے عقیدت ومحبت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم تاجدار مدینہ سرور کائنات محمدٌ رّسول اللہ ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درود وپاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَ الْکَرَمِ
وَ اٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَo

آج اور کل کے لیے مجھے جو عنوان دیا گیا ہے، وہ ہے ''اسلام کا نظامِ عدل و مساوات''۔ یہ عنوان وسعتوں کا حامل ہے کہ اس کے لیے صرف دو نشستیں کافی نہیں ہیں، مگر پھر بھی میں آج اس عنوان کی کچھ بنیادیں فراہم کروں گا اور کل ان شاء اللہ تعالیٰ کچھ شہادتیں اور اس سے متعلق کچھ واقعات پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ عنوان بڑا سنجیدہ، فکری اور نہایت ہی علمی ہے۔ اس لیے آج میں اپنی روشِ عام سے ہٹ کر آپ کے شعور، آپ کے ذہن اور آپ کی فکر کو مخاطب کرنا چاہوں گا۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! اس سال میں اس لیے بھی حاضر ہوا کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں کہ آپ نے گزشتہ سال میرے لیے دعائیں کیں اور اللہ نے مجھے مایوسیوں کے ماحول سے نکال کر دوبارہ کھڑے ہونے بھر کی قوت عطا فرمادی۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ**۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کی دعاؤں کو قبول فرمایا۔ دعا کیجیے کہ جب تک میں سانس لیتا رہوں، اللہ عزوجل مجھ سے اسی طرح خدمت دین متین لیتا رہے۔

میرے عزیز ساتھیو! اسلام کا نظام عدل ایک ایسا نظام ہے، جس کا جواب دنیا کے کسی بھی نظام میں موجود نہیں۔ یہ صرف دعویٰ نہیں ہے، بلکہ اگر آپ نے توجہ سے سماعت فرمایا، تو ان شاء اللہ آج اور کل کے خطاب میں اس دعوے کے لیے آپ کو اصولی اور بنیادی شہادتیں بھی فراہم کی جائیں گی۔

عدالت اور عدل کا تصور بڑا عام ہے۔ دنیا کی ہر قوم انصاف کی بات کرتی ہے، عدل کی بات کرتی ہے، عدلیہ کی بات کرتی ہے، جسٹس کی بات کرتی ہے، لیکن کیا دنیا میں کہیں حقیقی عدل پایا جاتا ہے؟ کہیں حقیقی انصاف پایا جاتا ہے؟ واللہ! اگر سرزمین پر کوئی ایسا معاشرہ تشکیل پا جائے جس کی بنیاد عدلِ اجتماعی یا سوشل جسٹس (Social justice) پر ہو، تو وہ معاشرہ اس زمین پر جنت نشاں ہو جائے گا۔ یہ بھی ذہن نشیں کرلیں کہ اس طرح کا معاشرہ

صرف مذہب اسلام تشکیل دے سکتا ہے، اسلام کے علاوہ دنیا کے کسی بھی مذہب، ملک، عدلیہ یا نظام عدل کے تصور میں اتنی وسعت نہیں کہ وہ عدل کے جملہ گوشوں کا احاطہ کر سکے اور انصاف کے جملہ تقاضوں کی تکمیل کر سکے۔

اس سے پہلے کہ میں عدل وانصاف کی بات کروں، آیئے میں آپ کو یہ بتاؤں کہ عدل وانصاف کے راستے میں رکاوٹ بننے والی چیزیں کیا ہیں، تاکہ آپ یہ اندازہ کرسکیں کہ کیا دنیا ان رکاوٹوں کو دور کر رہی ہے؟ کیا دنیا ان باتوں سے بچنے کی کوشش کر رہی ہے، جو عدل کے لیے سدراہ ہوتی ہیں؟ یہ صحیح ہے کہ عدل وانصاف انسانی معاشرے کے لیے بے پناہ ضروری ہے، بغیر عدل وانصاف کے انسانوں کی دنیا درندوں کے جنگل کی طرح ہے، جہاں وحشی بستے ہیں، خوں خوار بستے ہیں، درندے بستے ہیں، انسان نہیں بستے۔ انسان اسی وقت انسان بن پاتا ہے اور انسانی معاشرہ اسی وقت انسانی معاشرے کے طور پر تشکیل پاتا ہے، جب وہاں عدل کی حکم رانی ہو، انصاف کی حکم رانی ہو، عدل کا نظام قائم ہو اور ہر چھوٹے بڑے کو برابر کا انصاف فراہم کیا جائے۔

آج دنیا کی تمام قومیں اس بات کا دعویٰ کر رہی ہیں کہ ہم عدل کی حامل ہیں اور ہمارے یہاں عدل وانصاف کا نظام ہے۔ ہزاروں نہیں، بلکہ کروڑوں کورٹس (Courts) اور کچہریاں ہیں، عدلیہ اور جج ہیں۔ اس کے باوجود آج انسان انصاف کے لیے ترس رہا ہے، انصاف کے لیے بے قرار ہے، انصاف کی دہائیاں دے رہا ہے۔ عدل طلب کرنا چاہتا ہے، لیکن عدل کے دروازے پر اسے ذلیل کر کے نکال دیا جاتا ہے۔ انسانیت سسک رہی ہے، عدل کی بھیک مانگ رہی ہے۔ اس لیے کہ آج جو لوگ عدل وانصاف کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں، وہ ان تمام عصبیتوں کے شکار ہیں جو عدل کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ آیئے سب سے پہلے ہم ان عصبیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

یاد رکھیے کہ دنیا طبقوں اور علاقوں میں بنٹی ہوئی ہے، رنگ و نسل میں بنٹی ہوئی ہے، خطوں میں بنٹی ہوئی ہے اور دنیا والے احساس برتری کے شکار ہیں۔ عجیب عالم ہے کہ جو عدل کی بات کرتے ہیں، وہ کسی نہ کسی عصبیت کے شکار ہیں، کسی نہ کسی تعصب کے شکار ہیں، کسی نہ کسی تقسیم کے شکار ہیں، کسی نہ کسی طبقاتیت کے شکار ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ دنیا میں جب بھی طبقاتیت ابھری ہے، جب بھی طبقوں نے جنم لیا ہے، جب بھی انسانوں کو تقسیم کیا گیا ہے، جب بھی انسانوں کو ذلیل و رسوا کیا گیا ہے، جب بھی اونچ اور نیچ کے تصورات قائم کیے گئے ہیں، جب بھی دنیا کے سامنے چھوٹے اور بڑے کا امتیاز پیش کیا گیا ہے، جب بھی رنگ و نسل کی دیواریں کھڑی کی گئی ہیں، جب بھی قوموں اور غیر قوموں کے فرق کو واضح کرانے کی کوشش کی گئی ہے، جب بھی پستی اور بلندی کے امکانات پیش کیے گئے ہیں، روئے زمین سے عدل ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے اور لوگوں کے ذہنوں سے عدل کا تصور مٹ گیا ہے۔

آپ اقوام عالم کو دیکھیے کہ ان میں کون سی ایسی بات پائی گئی جو عدل کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئی؟ کس بنیاد پر اقوام عالم انسانوں کو عدل و انصاف نہیں دے سکیں؟ کیا وجہ تھی کہ انسانیت انصاف کے دروازے سے عدل و انصاف سے تہی دست واپس لوٹ گئی؟ کیا وجہ ہے انسان انصاف کی بھیک مانگتے مانگتے موت سے ہمکنار ہو گیا، مگر اسے انصاف نہیں ملا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس قوم یا شخص کے اندر قومی یا شخصی برتری اور ترفع کا احساس پیدا ہو جاتا ہے، اس کے اندر سے دوسروں کے لیے انصاف کا تصور ختم ہو جاتا ہے اور انصاف کے سارے فائدے وہ اپنے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ انصاف کی بات تو کرتا ہے، مگر اپنوں کے لیے، دوسروں کے لیے نہیں۔ اس کا نظام انصاف اپنوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے، دوسروں کو نہیں کرتا۔ وہ لوگ بلند طبقے کے لیے تو انصاف کی بات کرتے ہیں، دوسروں کے لیے ان کے نظام عدل میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

طبقوں میں بنٹا ہوا انسان انصاف کی بات تو کر سکتا ہے مگر اسے کبھی عملی جامہ نہیں پہنا سکتا۔ سرمایہ دار طبقہ کسی غریب کے لیے انصاف فراہم نہیں کر سکتا، اشرافیہ کبھی کسی متوسط طبقے کے لیے انصاف فراہم نہیں کر سکتے، متوسط طبقہ کبھی کسی غریب طبقے کو انصاف فراہم نہیں کر سکتا۔ مغرب نے مشرق کے ساتھ نہ کبھی انصاف کیا ہے نہ ہی کبھی کر سکے گا۔ یوں ہی مشرق میں بسنے والی قومیں بھی اگر عصبیتوں کا شکار ہیں تو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ انصاف نہیں کر سکیں گی۔

حکومت یا انسانیت کے راستے میں ڈبل اسٹینڈرڈ (Double standerd) اور دوہرا مزاج اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ انسان اپنے ماحول اور اپنے معاشرے کے لیے کچھ الگ ترجیحات رکھتا ہے اور دوسروں کے لیے الگ۔ یہی وجہ ہے کہ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ جو قومیں ہیومن رائٹس (Human rights) کی بات کر رہی ہیں، جو قومیں انسانیت کی بات کر رہی ہیں، جو قومیں عدل کی بات کر رہی ہیں، وہی آسمانوں سے آگ بھی برسا رہی ہیں، وہی عدل کے نظام کو تباہ بھی کر رہی ہیں، وہی عدلیہ کو برباد بھی کر رہی ہیں، وہی عدل کے تصور کو مٹا بھی رہی ہیں۔ ہیومن رائٹس (Human rights) کی بات کرنے والے، انسانی حقوق کی بات کرنے والے، معاشرتی انصاف کی بات کرنے والے، سوشل جسٹس (Social justice) کی بات کرنے والے، جب دوسروں کے لیے انصاف فراہم کرنا ہوتا ہے تو گونگے اور بہرے بن جاتے ہیں، آنکھیں بند کر لیتے ہیں، بلکہ جارحانہ بے عدلی اور ناانصافی سے کام لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس لیے دنیا میں کوئی ایسا نظام انصاف قائم نہیں ہو سکتا ہے جس کی بنیاد عصبیتوں پر ہو، طبقاتیت پر ہو، ترفع پر ہو، احساس برتری پر ہو، رنگ و نسل کے امتیاز پر ہو، جغرافیہ پر ہو، زبان یا سرمایہ داری پر ہو۔ آج دنیا کی ہر سوسائٹی (Society) انہیں عصبیتوں کا شکار ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ انصاف کرنے میں ناکام ہیں۔

آپ اقوام ماضیہ کا جائزہ لیجیے، نمرود کو دیکھیے، فرعونوں کو دیکھیے۔ وہ شخصی برتری کے قائل تھے، وہ اپنے آپ کو خدا کہلواتے تھے، دوسروں کو غلام اور بندہ تصور کرتے تھے۔ نتیجتاً انہوں نے بے پناہ مظالم ڈھایا، فرعونیوں کے درمیان ظلم و بربریت کی چکی پیستے ہوئے بنی اسرائیل کو دیکھیے، مینار تعمیر کرتے ہوئے، اپنی لاشوں پر اہرام اور پیرامائٹس (Paramites) تعمیر کرتے ہوئے قوم بنی اسرائیل کو دیکھیے۔ وہ قوم جو جناب یعقوب علیہ السلام کے ساتھ جلوہ گر ہوئی تھی، وہ قوم جو انبیائے کرام کی نبوت کی وارث تھی، اس قوم کے ساتھ فرعون اور اس کے ماننے والوں نے جو سلوک کیا، وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ ان کے بچوں کو قتل کیا، ان کی بچیوں کو باندی بنالیا، ان کے اوپر جبر اور تسلط کیا اور انہیں جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا۔ ہزاروں سال تک ظلم و بربریت کا یہ سلسلہ جاری رہا، ہزاروں نونہالوں نے سسک سسک کر دم توڑ دیا، ہزاروں بیویاں بیوہ کر دی گئیں اور ہزاروں بچے یتیم کر دیے گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مظلوموں کی آواز سنی، ان پر رحم فرمایا اور جناب موسیٰ علیہ السلام کو عدل وانصاف کا نظام دے کر بھیجا۔ انہوں نے باطل کو جھکایا اور ظلم و بربریت کو مٹا دیا۔ فرعون فنا ہو گیا اور فرعونیت مٹ گئی۔ مگر وہی قوم جو جناب موسیٰ علیہ السلام سے عدل کا تصور لینے والی تھی، کچھ دنوں بعد انہیں سے بغاوت کر بیٹھی، توریت کے احکام کو نظر انداز کر گئی اور پھر ظلم کی وہی روایت جو فرعون نے قائم کی تھی اپنے اندر نبھاتی ہوئی نظر آئی۔ اپنے بارے میں نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (ہم اللہ کے بیٹے ہیں، ہم اللہ کے محبوب ہیں) کہنے والی قوم آج صابرہ اور شلیدہ پر خون کی ہولیاں کھیل رہی ہے، فلسطین کی سرزمین کو ظلم واستبداد سے بھر دیا ہے۔ عدل وانصاف کے پیغمبر کو ماننے کا دعویٰ کرنے والے یہودی آج لاکھوں انسانوں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں، ان کے لیے اپنی ہی زمین پر سانس لینا دوبھر کر دیا ہے۔ وہ اپنی مظلومیت کا انتقام ان مسلمانوں سے لے رہے ہیں

جنہوں نے ہمیشہ ان کے ساتھ انصاف کیا، ہمیشہ ان کا تعاون کیا، ان کے آثار کو محفوظ رکھا، ان کے تمدن کو محفوظ رکھا، ان کی روایات کو محفوظ رکھا، ان کی کتاب کا تذکرہ کر کے ان کی کتاب کی تاریخ کو محفوظ رکھا۔ آج یہودی انہیں مسلمانوں کو دفن کر دینا چاہتے ہیں، مٹا دینا چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے اندر احساس ترفع ہے، احساس برتری ہے۔ ان کے دل میں یہ بات بسی ہوئی ہے کہ ہم تو اللہ کے محبوب ہیں، ہم تو سب سے عظیم قوم ہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ ہم زمین موعود کو حاصل کرنے کی نیت سے نکلے ہیں۔ زمین موعود ومنتظر اسرائیل سے مدینہ تک ہے، جس پر قابض ہونے کے لیے وہ ہر ظلم کر رہے ہیں، ہر زیادتی کر رہے ہیں، ہر طرح کی ناانصافی کر رہے ہیں۔ کل جو ناانصافی کی دہائیاں دیتے تھے، کل جو خدا کی بارگاہ میں روتے اور گڑگڑاتے تھے کہ اللہ کوئی منصف پیدا فرما دے، کسی کو عدل وانصاف کا نظام قائم کرنے والا بنا کر بھیج دے، آج وہی لوگ ظلم وزیادتی کر رہے ہیں، فساد مچا رہے ہیں، خوں ریزیاں کر رہے ہیں اور مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔ پتہ چلا کہ جس قوم میں احساس برتری پیدا ہو جائے، احساس ترفع پیدا ہو جائے، وہ قوم ظالم بن جاتی ہے، وحشی بن جاتی ہے، درندہ بن جاتی ہے۔

رومن قومیں اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھتی تھیں، نتیجہ یہ تھا کہ روم نے دنیا کی متعدد آبادیوں پر ظلم وزیادتی کی۔ کسریٰ اور ایران کے ماننے والے اپنے آپ کو بہتر سمجھتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کی سرزمین، جو کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے، صدیوں تک روم اور ایران کی کش مکش کی شکار خون میں نہاتی رہی، لالہ زار بنتی رہی۔ اس زمین پر سالہا سال روم بھی لڑتا رہا اور ایران بھی لڑتا رہا۔ ان کی یہ جنگ برتری حاصل کرنے کے لیے تھی۔ جب روم اور ایران کی جنگیں ختم ہوئیں تو عرب کی قبائلی جنگیں شروع ہوئیں۔ عرب کے قبیلے ڈیڑھ ڈیڑھ سو سال تک ترفع کے لیے، اپنے کو بہتر ثابت کرنے کے لیے آپس میں

لڑتے رہے۔ وہ تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عظیم تھا کہ انہوں نے قبیلوں کی جنگوں کو امن کا گہوارہ بنا دیا، محبت واخوت کا ایک چراغ اہل عرب کے درمیان روشن فرما دیا، قبائلی عصبیت کو مٹا دیا۔ ورنہ آج بھی قبیلوں میں بنٹا ہوا عرب خون کی ہولی کھیل رہا ہوتا، ظلم و استبداد کے پہاڑ توڑ رہا ہوتا، ایک دوسرے کا قتل عام کر رہا ہوتا۔

ایران کی تاریخ میں ایک شخص کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، جسے نوشیروان عادل کہا جاتا ہے۔ عجیب بات ہے، عادل اس کے نام کا جزوِ لاینفک بن چکا ہے، بڑے بڑے ادبا، شعرا اور مفکرین نے بھی اس کے نام کے ساتھ عادل کا لفظ ہمیشہ استعمال کیا ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بریں دورِ فرخ بنازم چناں
کہ سید بدوران نوشیرواں

مجھے معلوم نہیں کہ جناب سعدی کو یہ روایت کہاں سے ملی ہے، لیکن انہوں نے اپنی کتاب گلستانِ سعدیؔ میں نقل کیا ہے۔

نوشیروان عادل کے عدل کا ایک واقعہ خود اس کے دربار کا دبیر اور رائٹر (Writer) کہتا ہے، اس کے الفاظ کو قانون کی شکل دینے والا کہتا ہے: نوشیرواں کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ وہ ظلم کو عدل بنا کر پیش کرنے میں بے انتہا مہارت رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے دربار میں اس نے یہ کہا کہ میں نے جو نیا قانون اراضی پیش کیا ہے، وہ مبنی برانصاف ہے یا نہیں ہے؟ میں تمہیں زبان کی آزادی دے رہا ہوں۔ تم میرے خوف سے مت بولو، بلکہ آزادی کے ساتھ کہو، تاکہ میں تم سے نصیحت حاصل کروں۔

ایک صاحب قلم نے کھڑے ہو کر کہا: آپ نے جو نیا قانون اراضی پیش کیا ہے، وہ مبنی برانصاف نہیں ہے۔ آپ نے غریبوں کی زمینوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔ آپ

نے دریاؤں کے کناروں کی زمینوں پر بھی مستقل ٹیکس لگایا ہے۔ اس صورت میں زمین ختم ہو جائے گی اور زمین کا مزدور بھی ختم ہو جائے گا، مگر آپ کا ٹیکس اس پر مسلط رہے گا۔ آپ مستقل زمینوں پر مستقل ٹیکس لگائیں اور غیر مستقل زمینوں پر غیر مستقل ٹیکس لگائیں۔

نوشیراں کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں، اس نے کہا یہ کون ہے جو میرے دربار میں میرے قانون کا مذاق اڑا رہا ہے۔ حق وہ ہے جو نوشیرواں کی زبان سے نکلتا ہے۔ اس کے سر پر لوہے کے قلم دان توڑے جائیں، یہاں تک کہ اس کا بھیجا باہر آ جائے۔ ایک حق گو کی آواز کو دبانے کے لیے نوشیروان عادل کے دبیروں نے اس کے سر پر اتنے قلم دان توڑے کہ اس کا بھیجا باہر نکل آیا۔ اس واقعہ کے بعد پھر کسی کو اس کے خلاف بولنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

ایک جانب نوشیروان عادل کو رکھیے اور دوسری جانب اس ذات گرامی کو جن کی حکومت نوشیرواں سے بھی دس گنا زیادہ بڑی ہے، جن کے سامنے روم بھی جھکا ہوا ہے، کسریٰ بھی سرخمیدہ ہے، ایران بھی گھٹنا ٹیکے ہوئے ہے، وہ ذات گرامی سیدنا عمر فاروق کی ہے۔ ان کے دربار میں ایک عام آدمی کھڑا ہو کر کہتا ہے: جناب عمر! آپ نے جو جُبّہ پہن رکھا ہے، یہ اس کپڑے سے تو نہیں ہو سکتا جو آپ نے ہمارے درمیان تقسیم کیا تھا۔ یقیناً آپ نے کچھ زیادہ لیا ہوگا۔ عبداللہ ابن عمر کھڑے ہو کر کہتے ہیں: میں نے اپنے حصے کا کپڑا بھی اپنے والد کے حوالے کر دیا تھا، یہ جُبّہ انہیں دونوں کپڑوں کو ملا کر تیار کیا گیا ہے۔ اس شخص پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قطعی کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ ہی جناب عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسے کچھ کہا۔

آپ اندازہ لگائیے، زبان کی آزادی، عدل کی آزادی، انصاف کی آواز بلند کرنے کی آزادی اسلام نے عطا فرمائی ہے، اسلام کے علاوہ اور کہیں بھی اس طرح کی آزادی کا کوئی تصور آپ نہیں پا سکتے۔

عزیزان ملت اسلامیہ! میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں آپ جہاں بھی جائیں طبقاتیت موجود ہے۔ طبقوں میں تقسیم ہونے والا انسان اپنے طبقے کے ساتھ تو انصاف کی بات کرتا ہے، مگر دوسرے کے ساتھ نہیں۔ ہیومن رائٹس (Human rights) کے سارے مسائل تیسری دنیا کے لیے ہیں، مگر جو اپنے کو پہلی دنیا کا دعوے دار کہتے ہیں، وہاں انسانی حقوق کی بات نہیں ہوتی ہے، وہاں انسانی زندگیوں کے ساتھ جس طرح کھیلنے کی کوشش کی جا رہی ہے، وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہ صرف ماضی کی تاریخ نہیں ہے، ہر دور میں دنیا کا نظام عدل اسی طرح ناکام رہا ہے۔ اس لیے کہ وہ نظام وحیِ الٰہی سے استفادہ نہیں کر رہا ہے، وہ نظام قرآن کے مطابق نہیں ہے، وہ نظام اللہ کے فیصلے کے مطابق نہیں ہے، وہ نظام سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق نہیں ہے، اس لیے ہر نظام ناکام ہوگا، انسان کو عدل وانصاف کبھی نہ مل سکے گا۔ اگر عدل ملے گا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کے دامن میں ملے گا، عدل ملے گا تو اس ذات گرامی کے قدموں سے وابستہ ہو کر ملے گا، جس نے دنیا کو عدل کا تصور دیا ہے، جس نے قرآن عظیم کی آیات مبارکہ اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں عدل کے اتنے واضح نشانات متعین کیے ہیں کہ ایک اسلامی حکم راں خلافت الٰہیہ کی بنیاد پر جب عدل کرے گا تو ایک بچے کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں ہوگی، ایک جانور کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں ہوگی۔

جناب عَمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصر کے گورنر بنا کر بھیجے گئے ہیں اور وہاں ایک جلوس نکل رہا ہے، ایک بچے کو آراستہ کر کے لوگ کہیں لے جا رہے ہیں۔ جناب عمرو بن عاص نے کہا: یہ بچہ کہاں جا رہا ہے؟ کیا تم اس کی شادی کرنا چاہتے ہو؟ اسے کیوں سنوار رکھا ہے تم نے؟ انہوں نے کہا: نہیں، یہ بچہ شادی کے لیے نہیں لے جایا جا رہا ہے، بلکہ دریائے نیل جب خشک ہو جاتا ہے تو ہماری کھیتیاں اجڑ جاتی ہیں، ہماری کھیتیاں ویران ہو جاتی ہیں،

ہم قحط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جب ایسا ہوتا ہے تو ہم اپنی آبادی کا سب سے خوبصورت بچہ دیوتا کے سامنے ذبح کرتے ہیں، دریائے نیل کا دیوتا ہمارے بچے کا خون پی کر خوش ہو جاتا ہے، اپنی زلفیں بکھیر دیتا ہے اور ہماری کھیتیاں سیراب ہو جاتی ہیں۔ آج ہم اس بچے کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ جناب عَمرو بن عاص نے فرمایا: **جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا** ۔ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا تھا۔ اب دریاؤں کے اندر یہ طاقت نہیں ہے کہ انسانی خون کی بے حرمتی کر سکیں۔ اسلام نے انسانی خون کی حرمت کا تصور دیا ہے، انسان کی عظمت کا تصور دیا ہے، انسان کو وقار آدمیت سے نوازا ہے۔ انسان سب سے بلند ہے، دریاؤں سے بلند ہے، پہاڑوں سے بلند ہے، شمس وقمر سے بلند ہے، زمان ومکان سے بلند ہے۔ زمانہ اگر پیدا ہوتا ہے تو سورج اور چاند کی گردش سے اور قرآن کہتا ہے: **وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ** ۔ اور اس نے تمہارے لیے شمس وقمر مسخر کر دیا ہے۔ زمین وآسمان کے درمیان مکان کا جو تصور ہے، اس کے بارے میں قرآن کہتا ہے: **سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ و مَا فِي الْاَرْضِ** ۔ اس نے تمہارے لیے زمین وآسمان میں موجود ساری چیزوں کو مسخر کر دیا ہے۔

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی ذوالناری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ

مسلمان تو زمانے سے بھی بلند ہے، مکان سے بھی بلند ہے۔ نہ زمانہ غلام بنا سکتا ہے، نہ مکان غلام بنا سکتا ہے۔ مسلمان مظاہر فطرت کے سامنے نہیں جھکے گا، خالق فطرت کے سامنے جھکے گا۔ مسلمان کی پیشانی دریاؤں اور پہاڑوں کے سامنے نہیں، بلکہ رب العزت کے سامنے جھکے گی۔ رسول پاک نے انسان کو اتنا بلند کر دیا ہے کہ ایک سجدے کا تصور دے کر کے لاکھوں سجدوں سے آزاد کر دیا ہے۔ انسان کبھی دریاؤں کے سامنے جھکتا تھا، پہاڑوں

کے سامنے جھکتا تھا، شجر و حجر کے سامنے جھکتا تھا، شمس و قمر کے سامنے جھکتا تھا، اٹھتی ہوئی توانائیوں کے سامنے، موسموں کے سامنے، شفق کی سرخی کے سامنے، اُفق کے جمال کے سامنے، سبزے کی چادر کے سامنے، پتھروں کے سامنے، پہاڑوں کی بلندیوں کے سامنے، جانوروں کے سامنے۔ ایک مذاق سجدہ تھا اور ہزار سجدہ گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ مگر جس روز سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انسان کی پیشانی کو انسانی عظمت سے نوازا ہے، اس دن کے بعد سے وہ صرف اپنے رب کی بارگاہ میں جھکتی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس سے سجدہ طلب نہیں کرسکتی۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات
وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: انسان بہت عظیم ہے، دریا سجدہ مانگے، پہاڑ سجدہ طلب کرے اور تم انسان کے بچے کی قربانی پیش کرو، یہ ممکن نہیں ہے۔ تمہیں معلوم نہیں ہے، انسان وہ ہے جس کے بارے میں قرآن نے کہا: **لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ**۔ ہم نے انسان کے سر پر تاج کرامت رکھا ہے۔ **لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ**۔ ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے۔ جسے احسن تقویم کا منصب عطا کیا گیا ہو، جسے کرامت کا منصب عطا کیا گیا ہو، وہ غیر اللہ کے سامنے سر نہیں جھکائے گا۔ واپس لے چلو اس جلوس کو۔ مجھے رخصت کرتے ہوئے میرے خلیفہ نے کہا تھا کہ عمرو بن عاص! اگر دریائے نیل کے کنارے ایک کتا بھوکا مر گیا تو تم سے پوچھا جائے گا، تمہارے نظام عدل سے سوال کیا جائے گا۔

آپ اندازہ لگائیے، جس مذہب نے جانوروں کے ساتھ بھی انصاف کا مطالبہ کیا ہو، جس مذہب نے شجر و حجر کے ساتھ انصاف کا مطالبہ کیا ہو، کیا وہ انسانوں کے درمیان ناانصافی کی بات کرے گا؟ عدم مساوات کی بات کرے گا؟

جناب عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جلوس کو واپس کر دیا، کہا اب بچے کا خون دریا نہیں پی سکے گا۔ انسان بڑا محترم ہے، انسان بہت عظیم ہے، انسان کی تشکیل اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے فرمائی ہے، اس نے خود فرمایا: **وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ**، اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی ہے۔ روح کی جتنی بھی تعبیرات ہوسکتی ہیں، جتنے بھی مفاہیم ہوسکتے ہیں، ہر ایک کے اعتبار سے انسان بڑا محترم ہے۔ کم از کم یہ کوئی ایسی چیز تو ہے جو براہ راست مبدأ فیاض سے میسر ہے، خدائے قدوس کی بارگاہ سے میسر ہے۔

جناب عمرو بن عاص نے جلوس کو روک دیا، مگر یہ خیال آیا کہ مصر کے لوگ پیاسے ہیں، زمینیں پیاسی ہیں، پیداوار ختم ہوگئی ہے، ان کے لیے پانی کا انتظام ہونا چاہیے۔ دریائے نیل تو سوکھ چکا ہے، اگر پانی کا انتظام نہیں ہوا، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ رات کی تاریکی میں لوگ اپنے بچوں کو ذبح کر دیں اور اس طرح میرے دور امارت میں، گورنری کے زمانے میں احکام اسلام کے خلاف ایک خون ہو جائے گا، جس کا سوال مجھ سے خدا کی بارگاہ میں کیا جائے گا۔ آپ نے فوراً مدینے کی طرف قاصد روانہ کیا اور جناب عمر فاروق کی بارگاہ میں یہ خط روانہ کیا کہ حضور! پانی کا انتظام کیجیے، ورنہ یہ ظالم قوم کسی بھی وقت اپنے بچے کو ذبح کرسکتی ہے۔ جناب عمر نے جواب میں دریائے نیل کے نام ایک خط لکھا: اے دریائے نیل! اگر تو اللہ کے حکم سے جاری ہوتا تھا اور اسی کے حکم سے رکتا تھا، تو آج اللہ کا بندہ عمر کہہ رہا ہے، جاری ہو جا۔ آپ نے قاصد سے فرمایا: میرا یہ خط دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب پانی میں خط ڈالا گیا، فیضان آیا، دریا لبالب ہوگیا، موجیں مارنے لگا اور کھیتیاں سیراب ہوگئیں۔ **مَنْ كَانَ لِلّٰهِ**

كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے، ساری کائنات اس کی ہو جاتی ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام نے ہر دور میں کائنات کو عدل وانصاف فراہم کیا ہے اور حقوق کی ادائیگی پر مکمل تاکید کی ہے۔ اس نے والدین کے حقوق متعین کیے ہیں، بیویوں اور بچوں کے حقوق متعین کیے ہیں، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے حقوق متعین کیے ہیں، دوست واحباب کے حقوق متعین کیے ہیں اور اپنے ماننے والوں سے ان کے حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ کیا ہے۔

یہاں دو طبقے پائے جاتے ہیں۔ حق طلب کرنے والا طبقہ، حق دینے والا طبقہ۔ جو آپ کی ذمہ داریاں ہیں، دوسرے کا وہ حق ہے اور جو اس کی ذمہ داریاں ہیں، وہ آپ کا حق ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ مل کے مالک ہیں تو مزدوروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ محنت کریں اور آپ کی ذمہ داری ہے کہ مزدوروں کو پوری مزدوری دیں۔ جو آپ کے رائٹس (Rights) ہیں وہ اس کا فرض ہے اور جو اس کے رائٹس (Rights) ہیں وہ آپ کا فرض ہے۔ اسلام نے فرض اور رائٹس کے درمیان ایک بین لکیر کھینچ دی ہے۔ ہر آدمی اپنی اپنی ڈیوٹی (Duty) پوری کرے، اسے اپنے رائٹس (Rights) اور حقوق کے مطالبے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ اسلام کے نظام عدل نے اس بات پر زور دیا ہے کہ جس کی جو ذمہ داری ہے، وہ اسے مکمل کرے۔ اگر ایسا ہونے لگے، تو ناانصافی کہیں بھی کسی بھی صورت میں نہیں ہوگی۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر انسانوں کو طبقوں میں تقسیم کیا گیا، تو انصاف کبھی نہیں ملے گا، اگر پستی اور بلندی میں تقسیم کیا گیا تو انصاف کبھی نہیں ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: **لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَلَا اَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ، وَلَا اَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ، اِلَّا بِالتَّقْوٰى**۔ کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر، کسی کالے کو گورے پر

کوئی فضیلت نہیں ہے، مگر تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

یہ تقویٰ کی بنیاد ترفع اور احساس برتری نہیں بخشتی، تقویٰ کی بنیاد انسان کو جھکا دیتی ہے، تقویٰ خیر کی طرف آمادہ کرتا ہے، تقویٰ عدل پر آمادہ کرتا ہے۔ قرآن مقدس ارشاد فرماتا ہے: **اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى**۔ تم عدل سے کام لو، جتنا عدل سے کام لوگے، اسی قدر متقی ہو جاؤ گے، اسی قدر تقوی شعار ہو جاؤ گے۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: **اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ**۔ تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہے۔

پتہ چلا کہ عدل تقویٰ کی ضمانت ہے اور تقویٰ عدل کی ضمانت ہے۔ جہاں عدل پایا جائے گا وہاں تقویٰ پایا جائے گا اور جہاں تقویٰ پایا جائے گا وہاں عدل پایا جائے گا۔ یہ ممکن نہیں کہ انسان متقی بھی ہو اور ناانصافی بھی کرے، اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ انسان انصاف پسند بھی ہو اور تقویٰ اس کی زندگی میں نہ ہو۔ حکم راں اور ارباب اختیار اگر متقی ہو جائیں، تو ہر فرد کو انصاف میسر آنے لگے، ہر گھر میں انصاف پہنچنے لگے۔

آج میں صرف یہ بتانا چاہوں گا کہ جب تک طبقاتیت ختم نہیں ہوگی، جب تک عصبیتیں ختم نہیں ہوں گی، جب تک پستی اور بلندی کے تصورات ختم نہیں ہوں گے، جب تک چھوٹے اور بڑے کا امتیاز نہیں ختم ہوگا، جب تک مشرقی اور مغربی کا تصور ختم نہیں ہوگا، جب تک جغرافیائی خطوں میں تقسیم ہونے والے انسانوں کا شعور تقسیم ختم نہیں ہوگا، اس وقت تک انصاف نہیں مل سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی اپنے ماحول کے لیے تھوڑا بہت انصاف فراہم بھی کر لے، مگر کوئی ایسا معاشرہ جنم نہیں لے سکتا، کوئی ایسی سوسائٹی پیدا نہیں ہو سکتی، جو پوری دنیا کو انصاف دے سکے، جو تمام انسانوں کے ساتھ انصاف کر سکے۔

روئے زمین اسی وقت عدل وانصاف کا گہوارہ بن سکتی ہے، جب دنیا کا ہر انسان

اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھے، جب دنیا کا ہر انسان آخرت پر یقین کرے، جب دنیا کا ہر انسان مرنے کے بعد اکاؤنٹبلٹی (Accountability) پر یقین کرے، یہ جانے کہ ہمیں مرنا ہے اور اپنے ہر فیصلے کے بارے میں خدا کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا ہے۔ اور آخرت کا تصور مٹ جانا، آخرت کا احساس ختم ہو جانا ناانصافی کی طرف ابھارتا ہے۔ آج دنیا کی جتنی بھی قومیں انصاف کی بات کر رہی ہیں، لازمی طور پر ان کے اندر آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے، دوبارہ زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے، خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینے کا کوئی تصور نہیں ہے، جس کے نتیجے میں دنیا تباہ ہو رہی ہے، مٹ رہی ہے، ظلم بڑھتا جا رہا ہے، ظلم کا عفریت انسانوں اور انسانیت کو نگل رہا ہے۔

آج دنیا انصاف سے خالی ہو چکی ہے، آج دنیا محبتوں سے خالی ہو چکی ہے، تصور مساوات سے خالی ہو چکی ہے، انسانیت سے خالی ہو چکی ہے۔ یاد رکھیے! وہی شخص انسانوں کو انصاف فراہم کر سکتا ہے، جس کے دل میں تکریم انسانی کا تصور ہو، احترام انسانیت کا تصور ہو۔ جو انسان کو محترم ہی نہیں سمجھتا، بلکہ غلام سمجھتا ہے، کم زور سمجھتا ہے، دوسروں کو اپنے برابر نہیں سمجھتا، وہ کبھی انصاف نہیں دے سکتا۔

اسلام نے نظامِ عدل کی بنیاد تکریم انسانی پر رکھی ہے، احترام آدمیت پر رکھی ہے اور اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر واضح انداز میں اعلان فرما دیا ہے کہ اے لوگو! آج کا دن بڑا محترم ہے، یہ مقام بڑا معظم ہے۔ جس طرح آج کا دن محترم ہے، یہ مقام معظم ہے، اسی طرح ایک دوسرے کے لیے تمہارا خون بھی انتہائی قابل احترام ہے۔

انسانوں کا خون ایک دوسرے کے لیے قابل احترام قرار دیا گیا، ظاہر ہے کہ جہاں خون کا احترام ہو، جہاں نفس کا احترام ہو، جہاں زندگی کا احترام ہو، جہاں حیات کی ہر قدر کا

احترام ہو، وہاں ظلم کا کوئی تصور ہو ہی نہیں سکتا، وہاں ظالمانہ نظام کبھی بھی پنپ نہیں سکتا ہے۔ احترام آدمیت کا عالم یہ ہے کہ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو ایک طرف تو یہ فرمایا کہ انسان سب سے افضل ہے، انسان سب سے بہتر ہے، لیکن کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ افضلیت اور بہتری کا یہ تصور انسانوں کو طبقوں میں تقسیم کر دے، تو آپ نے فرما دیا: **كُلُّكُمْ مِّنْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ**۔ اے احساس برتری میں ڈوبنے والو! تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ**۔ اس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا۔

ایک ہی جان سے پیدا ہونے والا دوسرے پر ظلم نہیں کرتا، اگر کرے گا تو اپنے اوپر کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ظلم کو قرآن عظیم اپنے نفس پر ظلم سے تعبیر کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: **رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ** ○ اے اللہ! ہم نے اپنی جانوں پہ ظلم کیا، اگر تو ہمیں معاف نہ فرمائے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ضرور ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

دنیا سمجھتی ہے کہ ظلم دوسروں پر ہوتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ناانصافی کرنے والا اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے، ناانصافی کرنے والا اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ اس لیے کہ جس پر ظلم کر رہا ہے، وہ اس کا اپنا حصہ ہے، اس کا اپنا وجود ہے۔

ع عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

جناب شیخ سعدی فرماتے ہیں

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

چو عضوے بہ درد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

آدم زاد سب کے سب ایک انسان کے اعضا کی طرح ہیں، اس لیے کہ ان کی پیدائش ایک ہی جوہر سے کی گئی ہے۔ جب زمانہ کسی عضو کو تکلیف پہنچائے تو دوسرے اعضا کو بھی چین وقرار نہیں رہتا، بلکہ دیگر اعضا بھی بے قرار ہو جایا کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

ع قطرۂ دریا بھی آخر نم میں یم سے کم نہیں

ایک دریا کا قطرہ بھی رقت اور نمی میں سمندر سے کم نہیں، وہ یقینی طور پر دریا کا حصہ ہے۔ آپ انسانوں کے ایک بحر نا پیدا کنار کا کا قطرہ اور حصہ ہیں، اگر کوئی آپ کو تکلیف پہنچائے گا تو پوری انسانیت کو پہنچائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عظیم نے فرمایا: **مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَى النَّاسَ جَمِيْعًا** ۔جس نے بلاوجہ کسی انسان کا قتل کیا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی زندگی بچائی اس نے پوری انسانیت کی زندگی بچائی۔

ایسا کیوں فرمایا گیا؟ اس لیے کہ ایک انسان پوری انسانیت کا جز ہے، ایک انسان انسانیت کے سمندر کا ایک قطرہ ہے، لہٰذا ایک انسان اپنی صلاحیت اور اعتبار میں یقینی طور پر انسانیت کے سمندر سے کم نہیں ہے۔

قرآن عظیم تو فرما رہا ہے ''جس نے ایک انسان پر ظلم کیا، اس نے پوری انسانیت پر ظلم کیا''، تو کیا قرآن عظیم کا ماننے والا انسان، قرآن کے اصول وضوابط کی روشنی میں تشکیل پانے والی عدلیہ، قرآن عظیم کے زیر سایہ تشکیل پانے والا نظام قانون کسی پر ظلم و زیادتی کرنے کے بارے میں سوچ سکتا ہے؟ یہاں ان تمام دروازوں کو بند کر دیا گیا ہے، جن سے

ظلم وزیادتی کا تصور ذہن وفکر میں داخل ہوتا ہے۔

بڑی مشہور آیت کریمہ ہے: **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى** ۔ اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ، انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اور کسی قوم کی عداوت تمہیں عدم انصاف پر نہ ابھارے، عدل وانصاف کرو، یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

اس آیۂ مقدسہ کا شان نزول اور پس منظر ملاحظہ فرمائیں۔ مکۂ مکرمہ فتح ہو چکا ہے، جو لوگ مظلوم تھے، آج مکہ میں فاتح بن کر داخل ہو چکے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو گھروں سے نکالا گیا، جن کی زمینوں پہ قبضہ کیا گیا، جن کی اولاد کو ان سے چھینا گیا، جن کی بیویوں کو ان سے دور کیا گیا، جن کو پتھروں پہ کھینچا گیا، جن کو ننگی پیٹھ گرم ریتوں پہ لٹایا گیا، جن کے اوپر سنگ باری کی گئی، جنہیں بے وطن کیا گیا، جن کے قتل کے منصوبے بنائے گئے، جنہیں شعب ابی طالب میں تین سال تک قید ومشقت کی زندگی پہ مجبور کیا گیا، جن کا سوشل بائیکاٹ (Social Boycott) کیا گیا، جن کے اوپر تقریباً بتیس جنگیں مسلط کی گئیں۔

یہاں ایک بات اور بتاتا چلوں کہ لوگ کہتے ہیں پیغمبر نے جنگ کی، میں عرض کروں گا کہ ایک جنگ ایسی بتا دیں، جس میں پیغمبر خود پہل کی ہو، دس سالہ زندگی اقدس میں یہ بتیس کی بتیس جنگیں پیغمبر پر مسلط کی گئی تھیں، انہوں نے تو اپنا دفاع فرمایا تھا۔

جس ذات پر بتیس جنگیں مسلط کی گئیں، آج وہ فاتح بن کر مکۂ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ ان کے ساتھ وہ قوم بھی ہے جس نے ظلم برداشت کیا ہے، ظلم کو دیکھا ہے۔ زمانہ کا دستور یہ ہے کہ ایک مظلوم قوم جب اقتدار حاصل کر لے تو ظلم کی انتہا کر دیتی ہے۔ ہر دور، ہر عصر اور ہر زمانے میں یہ ہوتا آیا ہے۔ پھر وہ انتقام کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

مگر یہاں حال یہ ہے کہ جس وقت مکہ فتح ہو رہا ہے، اللہ عزوجل یہ آیت نازل فرما رہا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ، انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اور کسی قوم کی عداوت تمہیں عدم انصاف پر نہ ابھارے، عدل و انصاف کرو، یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو اپنا ماضی یاد آ جائے اور کفار مکہ کے ساتھ بے سلوکی کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان انتقام کا راستہ اختیار کر لیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان کفار مکہ کے مظالم کو یاد کر کے ظلم کی طرف آمادہ ہو جائیں، تو فرمایا گیا: عدل کرو، ہر حال میں عدل کرو، تم عدل کرو گے تو تمہارے عدل سے متاثر ہو کر تمہارے دشمن بھی تمہارے دامن سے وابستہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن دنیا نے اس بات کا مشاہدہ کیا۔

آج دنیا میں عدل کی دعوے دار بہت سی قومیں ہیں، مگر اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن عدل کا یہ جو نظام قائم فرمایا ہے، پوری دنیائے عدل کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں مل سکتی جو اس کے مساوی ہو۔ یہاں تو مسلمانوں کو اس بات پر خبردار کیا جا رہا ہے کہ تم اپنے دلوں سے جذبۂ انتقام نکال دو کہ کہیں یہ جذبہ تمہیں ظلم کی طرف نہ ابھارے، تم ظلم برداشت کرنے کے بعد بھی عدل کا دامن نہ چھوڑنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم انتقام لینے لگو، ریوینج (Revenge) لینے لگو اور اپنی مظلومیت کا حساب چکانے لگو۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ مکہ کے فتح ہونے کے بعد دس ہزار اسلام کے لشکر نے کسی انسان کو طمانچہ بھی نہیں مارا ہے، کسی کو ضرب بھی نہیں لگایا ہے۔ ہاں ایک مقام ایسا آیا ہے کہ جب ایک صحابی نے کہا تھا: **اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ**، آج کا دن انتقام کا دن ہے، تو رسول پاک نے اونٹ کی کوہان سے سجدے کی حالت سے سر اٹھایا اور فرمایا: نہیں، **اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَةِ**،

آج کا دن تو رحم کا دن ہے، آج کا دن تو محبت کا دن ہے، آج کا دن تو پیار کا دن ہے، آج کا دن تو دنیا میں امن و آشتی کی مثال قائم کرنے کا دن ہے، آج کا دن تو دنیائے انسانیت کو امن و امان سے بھر دینے کا دن ہے۔

آپ قرآن مقدس کا مطالعہ کیجیے، آپ کو اندازہ ہوگا کہ قرآن نے عدل سے متعلق کس قدر تاکید کی ہے، قرآن مقدس فرماتا ہے:

(۱) **اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ.**

(۲) **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا.**

(۳) **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ.**

(۴) **وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰى بِالْقِسْطِ.**

(۵) **وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ.**

(۶) **وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ.**

(۷) **قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ.**

یعنی: عدل کرو، ہر حال میں عدل کرو۔ اے حکم رانو! انصاف کرو۔ اے اشرافیا! انصاف کرو، اے طبقۂ سرمایہ دار! انصاف کرو، اے حکومت کے منتظمین! انصاف کرو، انصاف کرو، خواہ وہ انصاف تمہارے خلاف کیوں نہ ہو، تمہاری اولاد کے خلاف کیوں نہ ہو، تمہاری خواہشات کے خلاف کیوں نہ ہو۔ اگر تمہیں اپنے خلاف فیصلہ دینا ہو تو بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑو، اپنی اولاد کے خلاف فیصلہ دینا ہو تو بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑو، اپنی بیوی

اور بچوں کے خلاف فیصلہ دینا ہو تو بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑو۔

جنگ صفین کا موقع ہے اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ اس وقت کے خلیفۃ المسلمین ہیں، ان کی زرہ چوری ہوگئی، تفتیش کے بعد ایک یہودی کے پاس سے وہ زرہ برآمد ہوئی، آپ نے اسلامی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، قاضی وقت کے پاس مقدمہ لے گئے کہ اس نے ہماری زرہ چوری کی ہے۔ آپ خود بھی خلیفہ ہیں، آپ خود بھی فیصلہ کر سکتے تھے، مگر فیصلہ قاضی سے کروا رہے ہیں، جو عدل کا ذمہ دار ہے۔ قاضی نے فریقین کو طلب کیا، جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ بتائیے کہ آپ کے پاس کوئی گواہ ہے؟ آپ نے دونوں بیٹوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو گواہ بنا کر پیش کیا۔ قاضی نے رد کر دیا کہ اے جناب علی! یہ دونوں بچے تمہارے ہیں، یہ گواہ نہیں بن سکتے ہیں، گواہی تمہیں باہر سے لانی ہوگی۔ آخر کار گواہ نہ ہونے کی بنیاد پر فیصلہ مولائے کائنات کے خلاف کیا گیا۔ وہ یہودی اس سے اس قدر متاثر ہوا کہ عرض کرنے لگا: جس دین میں انصاف کا یہ معیار ہو کہ خلیفۂ وقت کے ساتھ بھی کسی قسم کی کوئی رعایت نہ کی جائے، یقیناً یہ دین دین حق ہے، فوراً اقرار کیا کہ اے جناب علی! میں نے ہی آپ کی زرہ چرائی ہے، یہ لیجیے اپنی زرہ اور مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیجیے۔

اسی طرح جناب علی ہی کے ایک دوسرے مقدمے کو تاریخ کے اوراق میں ملاحظہ فرمائیے۔ مولائے کائنات اسلامی عدالت میں حاضر ہیں، قاضی اسلام آواز دیتا ہے: ابا الحسن! یہاں آؤ۔ آپ تشریف لے آتے ہیں، اپنا بیان دیتے ہیں۔ جب فریق ثانی کو پکارنا ہوتا ہے تو قاضی اسے اس کے نام سے پکارتے ہیں۔ جب مقدمہ کی سماعت ختم ہوگئی، تو قاضی عرض نے عرض کیا: حضور! برا نہ مانئے گا، آپ عدالت میں تھے، اس لیے میں نے آپ کو کھڑے رہنے پر مجبور کیا، حالاں کہ آپ میرے لیے بہت محترم ہیں۔ مولائے کائنات نے

فرمایا: مجھے اس بات سے کوئی تکلیف نہیں کہ تم نے مجھے کھڑا کیا، یہ تو ہونا ہی چاہیے۔ مجھے تو تکلیف اس بات کی ہے کہ تم نے مجھے میری کنیت ''ابوالحسن'' سے پکارا، نام لے کر نہیں اور میرے مخالف کا نام لے کر پکارا، یہ تم نے زیادتی کی ہے۔

آپ آج کی عدلیہ کا جائزہ لیں، آج تو کہا جاتا ہے کہ سربراہ مملکت حاضر نہیں ہوگا، فلاں فلاں ارباب اقتدار کو استثنا حاصل ہے۔ مگر یہاں تو حال یہ ہے کہ عدالت اسلامیہ میں مقدمہ سننے کے لیے، اپنے خلاف گواہی سننے کے لیے فاتح خیبر حاضر ہیں، شیر خدا حاضر ہیں، اسد اللہ الغالب حاضر ہیں، حسنین کریمین کے ابا جان حاضر ہیں، فاطمۃ الزہرا کے سرتاج حاضر ہیں، رسول اللہ کے بھائی حاضر ہیں، سرور کائنات کے داماد حاضر ہیں۔

خدا کی قسم! انصاف کا یہ تصور صرف دامن اسلام میں سمٹا ہوا ہے، اس کے علاوہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں انصاف کا اس کا تصور نہیں نظر آتا۔

اسلام کا نظام عدل وہ نظام ہے جس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں مل سکتی ہے۔ اس لیے کہ اسلام نے عدل کی بنیادیں فراہم کی ہیں اور وہ تمام داعیات جو عدل کے خلاف ہیں انہیں مٹا دیا ہے۔ عصبیت عدل کی راہ میں سب سے بڑی دیوار ہے۔ آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ جہاں بھی ناانصافی ہوئی ہے وہاں عصبیتوں کی بنیاد پر ہوئی ہے، تعصب کی بنیاد پر ہوئی ہے، طبقاتیت کی بنیاد پر ہوئی ہے، انسانوں کو طبقوں میں، گروہوں میں، علاقوں میں اور زبانوں میں بانٹ دئے جانے کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ ہر جج، ہر قاضی اپنے افراد کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور دوسروں پہ ظلم کے پہاڑ توڑتا ہے۔ مگر اسلام کے نظام عدل کا یہ عالم ہے کہ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو تمہارے اہل ذمہ ہیں یعنی جو غیر مسلم اسلامی حکومت میں رہتے ہیں ان کے ساتھ انصاف کرو، خبردار! ان کے ساتھ زیادتی نہ ہونے پائے اور اگر کسی مسلمان نے اہل ذمہ غیر مسلموں

میں سے کسی پر زیادتی کی تو میں کل خدا کی بارگاہ میں اس غیر مسلم کا وکیل بن کر اسے انصاف دلاؤں گا۔

اسلام نے غیروں کے ساتھ بھی انصاف کا درس دیا ہے، انسانیت کی بنیاد پر، حقوق انسانی کی بنیاد پر، آدمیت کی بنیاد پر، انسان اس لیے بھی بہت عظیم ہے کہ یہ ہمیشہ کہیں نہ کہیں رہا ہے، پیدا ہونے کے بعد تو ہے، مرنے کے بعد بھی ہوگا۔ ؎

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

میرے جنازے پہ رونے والو! فریب میں ہو، بغور دیکھو
مرا نہیں ہوں، غم نبی میں لباس ہستی بدل گیا ہے

ہمارے ذہن نے مشکل سوال رکھا ہے
کہ اس وصال کو بعد وصال رکھا ہے

انسان ہمیشہ کہیں نہ کہیں موجود رہا ہے۔ جب وہ عالم اجسام میں نہیں تو عالم ارواح میں تھا اور عالم ارواح میں بھی بڑی معزز حیثیت سے تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری کائنات کو پیدا فرمایا، کائنات کے ذرے ذرے کا خالق ہے، شمس وقمر، شجر وحجر، بحر وبر، خشک و تر، شام وسحر، برگ وثمر سب اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں، مگر سوال صرف انسانوں سے کیا گیا گیا تھا: **اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ**؟ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟ پتہ چلا کہ مخاطب اسے کیا جاتا ہے جو کہیں موجود ہوتا ہے، **اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ**؟ کے مخاطب اگر ہم تھے، تو کسی نہ کسی شکل میں موجود تھے، سمجھتے بھی تھے اور جواب بھی دیتے تھے۔ رسول پاک صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی روح طیب نے سب سے پہلے کہا تھا: **بَلٰی** اور ہم نے بھی انہیں کی تقلید میں **بَلٰی** کہا تھا۔ انہوں نے عرفان خداوندی دی اور ہم نے ان کی اقتدا کی۔ عالم ارواح میں بھی کی ہے، عالم اجسام میں بھی کریں گے ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ۔ لیکن **بَلٰی** کہنے سے پہلے بھی ہم کہیں موجود تھے۔ جب اللہ نے فرمایا: **کُنْ**، ہوجا، کائنات ہوگئی۔ لیکن **کُن** صیغۂ خطاب ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کے ذریعہ کس کو مخاطب کیا تھا؟ اور مخاطب اسے کیا جاتا ہے جو کہیں موجود ہو۔ پتہ چلا کہ ہم عالم ارواح ہی میں نہیں، عالم اجسام ہی میں نہیں، عالم لاہوت ہی میں نہیں، عالم ناسوت ہی میں نہیں، عالم انوار ہی میں نہیں، بلکہ علم الٰہی میں بھی موجود تھے اور اس نے اپنے علم کو مخاطب کر کے اسے خارج میں وجود بخش دیا ہے۔

تو وہ انسان جو اتنا عظیم ہو کہ پیدائش سے پہلے بھی کہیں موجود ہو، عالم ارواح میں، عالم اجسام میں، عالم لاہوت میں، عالم ناسوت، عالم انوار میں، علم الٰہی میں، وہ انسان اتنا سستا تو نہیں ہے کہ اسے ذلیل کر دیا جائے، اسے رسوا کر دیا جائے۔

احترام آدمیت بڑا عظیم تصور ہے، جو قرآن نے ہمیں مختلف زاویوں سے عطا فرمایا ہے۔ حرمت نفس، حرمت مال، حرمت خیال، حرمت فکر، حرمت خاندان، حرمت معیشت، حرمت معاش، حرمت اولاد، ان تمام کی پاس داری کا قرآن نے ہمیں حکم فرمایا ہے۔ پھر ہر ایک کی حرمت واحترام کے حوالے سے قوانین موجود ہیں، ضابطے موجود ہیں، طریقۂ کار موجود ہے۔ یہاں انصاف، عدل یا جسٹس کا لفظ صرف انسانوں کے کسی فرد یا کسی مخصوص جماعت کے بارے میں بولا جاتا ہے، مگر قرآن نے سوشل جسٹس (Social justice) کا وہ تصور پیش کیا ہے، جو پوری انسانیت کے لیے بولا جاتا ہے، پورے معاشرے کے لیے بولا جاتا ہے۔ نہ فرد کے ساتھ ناانصافی ہوگی، نہ معاشرے کے ساتھ، نہ افراد کے ساتھ، نہ خاندان کے ساتھ، نہ پڑوس کے ساتھ، نہ رشتہ داروں کے ساتھ، نہ اپنوں کے ساتھ اور نہ ہی

پرایوں کے ساتھ۔ جس جس پر لفظ آدمیت کا اطلاق ہے، اس کے لیے انصاف کرنا اسلام میں بے پناہ ضروری ہے، آدمی ہے تو انصاف پائے گا۔

میں نے ایک اسلامی اسکالر سے پوچھا: یہ عجیب بات ہے کہ اسلام فیصلے میں بڑی جلدی کرتا ہے، یعنی سزا دینی ہو تو فوراً دے دی اور چھوڑنا ہو تو فوراً چھوڑ دیا۔ آپ نے بہت سے لوگوں کو سزائیں دی ہیں، اتنی جلدی کیسے آپ سزا دے دیتے ہیں؟ جب کسی پر جھوٹ کا الزام عائد کیا جاتا ہے، تو مغربی کورٹس میں کئی کئی سال مقدمے چلتے ہیں، ثبوت فراہم کیے جاتے ہیں، امکانات کا جائزہ لیا جاتا ہے اور اس کے بعد پھر اسے مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں بھی چالیس چالیس سال، بلکہ سو سو سال سے مقدمے پڑے ہوئے ہیں، بلکہ دنیا کی ساری کورٹس کا یہی حال ہے۔ انصاف طلب کرنے والا قبر میں مٹی بن چکا ہوتا ہے، مگر اسے انصاف نہیں مل پاتا۔ انصاف کو اتنا مشکل بنا دیا گیا ہے، عدل کا نظام اتنا پیچیدہ اور دشوار کر دیا گیا ہے کہ غریب تو اس انصاف کی طلب کے لیے تمنا بھی نہیں کر سکتا، نہ وہ کورٹ کی فیس دے سکتا ہے، نہ وکیل کے تقاضے پورے کر سکتا ہے، اگر غریب ہے تو گواہ فراہم نہیں کر سکتا، گواہ ہے، تو اسے قتل کے الزام میں راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے، وکیل ہے تو اسے خرید لیا جاتا ہے، جج ہے تو رشوتوں کے ذریعہ اسے فیصلے بدلنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے، کسی صاحب اقتدار کے خلاف فیصلہ ہے، تو اسے ڈھیل دی جاتی ہے، یہاں تک کہ مدعی مایوس ہو کر موت سے ہم کنار ہو جاتا ہے، مگر اسلام کا معاملہ تو ایسا ہے کہ چاہے قتل کا معاملہ ہو یا چوری اور ڈکیتی کا معاملہ ہو یا کوئی اور چھوٹا یا بڑا معاملہ ہو، بس تھوڑی ہی دیر میں فیصلہ ہو جاتا ہے، ایسا کیوں ہے؟

اس باشعور انسان نے جو جواب دیا تھا وہ اسلامی عدلیہ کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے کہا: مولانا! آپ نے شاید اسلام کے نظام عدل کا مطالعہ نہیں کیا ہے، اسی لیے

آپ یہ سوال کر رہے ہیں۔ جب ہمارے سامنے کوئی مقدمہ لایا جاتا ہے، تو اس کی تین شکلیں ہوتی ہیں۔ یا تو وہ بالکل مجرم نہیں ہوتا، یا بالکل مجرم ہوتا ہے، یا مشتبہ اور ڈاؤٹ فُل (Doubtful) ہوتا ہے۔ تو جو بالکل مجرم نہیں ہے اسے ہم فوراً چھوڑ دیتے ہیں اور جو مجرم ہے اسے گرفتار کر لیتے ہیں اور جس پر شبہہ ہے اسے بھی چھوڑ دیتے ہیں، اس لیے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون یہ ہے کہ ہمیشہ شبہہ کا فائدہ مجرم کو دیا جائے گا۔

دوسرے مقام پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم فیصلے میں بہت احتیاط کرو، کسی کو غلط فیصلے کی بنیاد پر قتل کر دینے سے بہتر یہ ہے کہ غلط فیصلے کی بنیاد پر کسی کی زندگی بچالی جائے۔ یعنی تم نے غلط فیصلہ کیا اس کی زندگی بچ گئی، اگرچہ تمہارا فیصلہ غلط ہے، مگر ظلم نہیں ہوا۔ لیکن اگر تمہارے غلط فیصلے کی بنیاد پر کوئی قتل کر دیا گیا، تو تم ایک قاتل اور مجرم کی حیثیت سے خدا کی بارگاہ میں کھڑے کیے جاؤ گے۔

اس نے کہا کہ ہم جو کلیئر لی (Clearly) مجرم نہیں ہے اور جس کے مجرم نہ ہونے پر آثار و قرائن و شواہد گواہی دیتے ہیں، ہم اسے فوراً چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے لیے وقت کی ضرورت نہیں ہے۔ جس پر شبہہ ہوتا ہے اس کو بھی چھوڑ دیتے ہیں اور جس کا جرم ثابت ہو جاتا ہے، اسے سزا دیتے ہیں۔

عدالتوں میں دراصل سزاؤں کو اور مقدمات کو طول اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ مشتبہ افراد کو مجرم قرار دینے کی کوشش میں گواہیاں فراہم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جو مشتبہ ہوتے ہیں، ان کو مجرم قرار دینے کی کوشش میں وقت زیادہ لگا دیتے ہیں۔ اگر مشتبہ نہ ہو اور مجرم ہو تو اس کے لیے وقت کی ضرورت نہیں ہے۔ تو دنیا یہ چاہتی ہے کہ جو شبہے میں گرفتار کیا گیا ہو اسے سزا دی جائے اور اسلام کہتا ہے کہ جس پہ شبہہ ہے اور ثبوت نہیں ہے اسے فوراً چھوڑ دو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی عدالتوں میں فیصلے میں تاخیر نہیں ہوتی، بلکہ مناسب وقت

میں فیصلہ ہو جاتا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ اسلام کے قرون اولیٰ کے بعد، خلفائے راشدین کے بعد خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی، لیکن روح اسلام اور روح قانون کم وبیش تیرہ سو سال تک اسلامی معاشروں میں باقی رہا۔ عہد عباسی ہو، عہد اُموی ہو، عہد غلامان ہو یا عہد فاطمین ہی کیوں نہ ہو یا عہد مغول ہو۔ کوئی بھی عہد ہو، فیصلے کی بنیاد قرآن وحدیث ہوا کرتی تھی، یہی وجہ ہے کہ کسی بھی دور میں مسلم حکم راں کے خلاف یہ شکایت نہیں کی گئی کہ اس نے ظلم کیا ہے یا غلط فیصلے کیے ہیں۔ جب بھی فیصلہ ہوا ہے، ثبوت اور شہادت کی بنیاد پر ہوا ہے۔ آج دنیا جو مشتبہ افراد کے خلاف فیصلے کر کے انہیں سزائیں دے رہی ہے، اس کا تصور اسلام میں کبھی نہیں تھا۔

خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی، خلفا کی جگہ بادشاہ آئے۔ مگر چوں کہ عوام شریعت کی پابند تھی، اس لیے بادشاہ بھی عوام کے اقتدار، عوام کے مطالبے اور عوام کی بھرپور قوت کے مقابلے میں شریعت کے مطابق فیصلے کرنے پر مجبور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی عدالت کا تصور صدیوں تک قائم رہا۔ آج بھی اگر کوئی ملک اپنی سلطنت کو پائیدار رکھنا چاہتا ہے، اپنے اقتدار کو برقرار رکھنا چاہتا ہے اور دنیا میں اپنی عظمت کا لوہا منوانا چاہتا ہے، تو اسے اپنے عدلیہ کے نظام کو بہتر بنانا ہوگا، انصاف کے نظام کو بہتر بنانا ہوگا۔ جس ملک میں عدل وانصاف نہ ہو، وہ ملک درندوں کا جنگل بن جاتا ہے، جہاں انسانوں پر ظلم ہوتا ہے اور کوئی باز پرس کرنے والا نہیں ہوتا، کوئی احتساب کرنے والا نہیں ہوتا۔ ہر ملک میں جزوی عدل کہیں نہ کہیں ضرور ہے، یہی وجہ ہے کہ ملک قائم ہے۔

مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ جب ایران تک وسیع ہوا، کسریٰ نے مسلمانوں کے لشکر کے کمانڈر اِن چیف حضرت عامر بن ربیع رضی اللہ عنہ سے کہا: تم لوگ کس قوم کے افراد ہو؟ اس قوم کے جو فاقہ کش ہیں؟ اس قوم کے جو اونٹوں کے چرانے والے ہیں؟ اس قوم کے

جن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے؟ اس قوم کے جو خانہ بہ دوش ہیں؟ تم لوگ کسریٰ جیسی منظّم قوم کا مقابلہ کرنے کے لیے آئے ہو؟ ایک لمحے کے لیے بھی تم اس ملک پر فتح حاصل نہیں کر سکتے، تمہارے لیے یہ میرا نہایت ہی مفید مشورہ ہے کہ واپس چلے جاؤ۔ جناب عامر بن ربیع نے کہا: ہم جس مقصد کو لے کر آئے ہیں، وہ مقصد بڑا عظیم ہے۔ ہم بندوں کو بندوں کی غلامی سے آزاد کرانے آئے ہیں، ہم ظلم و جبر کے اس ماحول میں اسلام کا نظام عدل قائم کرنے آئے ہیں، اس لیے فتح ہماری ہوگی، کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ حضرت عامر بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتح بن کر ابھرے اور کامیابی ان کے قدم چوم رہی ہے اور صبح قیامت تک چومتی رہے گی۔

خدائے وحدہ قدوس ہمیں اسلامی نظام عدل کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَ مَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۝

عصر حاضر میں اسلام کا نظام عدل

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا ○ وَ اَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعًا ○ فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْہِ ○ صَلٰوۃً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ○ وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ○ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ ○ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ○ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

ہماری جماعت کے عظیم بزرگ معمار علم وتعلیم حضرت علامہ ابو بکر صاحب قبلہ، شہزادۂ حضرت جلالۃ العلم، علمائے باوقار، عزیزان ملت اسلامیہ، قابل احترام بزرگو اور دوستو! آیئے ہم اور آپ انتہائے عقیدت ومحبت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم تاجدار مدینہ سرور کائنات محمد رسول اللہ اروا حنا فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَ الْکَرَمِ وَ اٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ ○

ہمیں ہمیشہ سُنّی دعوتِ اسلامی کے امیر کچھ مشکلات میں ڈال دیا کرتے ہیں۔ عنوان ایسا دیتے ہیں، جو بہ ظاہر بڑا خشک ہوتا ہے، مگر انہوں نے مذاق سماع بدل دیا ہے۔ نہ یہاں بلبل باغ مدینہ کی طرح نغمگی ہے، نہ کہانیاں اور قصے ہیں، نہ لطائف ہیں، نہ ہی قہقہے ہیں، مگر اس کے باوجود آپ جس قدر سکون سے سنتے ہیں، یہ آپ کا اپنا حصہ ہے۔

میں پوری دنیا میں گھومتا ہوں اور نوجوانوں سے میرا خاص رشتہ ہے۔ میں خود بوڑھا ہو چکا ہوں مگر عہد شباب کبھی کبھی مجھے پکارتا رہتا ہے، آواز دیتا رہتا ہے۔ **نسٹالیجیا** (nostalgia) انسانی زندگی کا بہت بڑا مرحلہ ہے، یعنی جب انسان اپنا ماضی یاد کرنے لگے، تو سمجھ جاؤ کہ وہ بوڑھا ہو رہا ہے۔ میں آپ کو دیکھ کر کے یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں آپ میں موجود ہوں، میں کم وبیش پچاس سال پیچھے چلا جاتا ہوں۔ اس لیے آپ میرے بہت مخصوص مخاطب ہیں۔ عنوان تھا ''اسلام کا نظام عدل ومساوات''، لیکن آج اس میں تھوڑا سا اضافہ ہوگا ''عصر جدید میں اسلام کا نظام عدل ومساوات''۔

عصر جدید اور دور حاضر کے الفاظ بڑی کثرت سے استعمال کیے جاتے ہیں، لیکن عصر جدید کس زمانے کو کہتے ہیں؟ کیا اس سال کا نام عصر جدید ہے؟ کیا اس صدی کا نام عصر جدید ہے؟ کیا اس دہائی کا نام عصر جدید ہے؟ نہیں، بلکہ جب یورپ میں ایک نیا فکری، شعوری اور سائنسی انقلاب بیدار ہوا، اس کے بعد سے لے کر آج کے دور کو عصر جدید کہا جاتا ہے اور انسانی زندگی پر جب تک اس انقلاب کے اثرات باقی رہیں گے، اس وقت تک اسے اسی دور سے متعلق قرار دیا جاتا رہے گا۔ عصر جدید کا مطلب پندرہویں صدی میں اسپین کی سرزمین پر اسلام کا سیاسی اور معاشی زوال، سولہویں صدی کے آغاز میں امریکہ کی دریافت کے بعد سے لے کر اب تک کے اس پانچ سو سالہ زمانہ پر عصر جدید کا اطلاق ہوتا ہے، جس میں سائنس کی خوب ترقیاں ہوئیں۔ جہاں جہاں یہ لفظ بولا جاتا ہے، انہیں تمام ترقیات اور

دواعی کے حوالے سے بولا جاتا ہے جو اس دور میں ہوئی ہیں۔

اب آیئے دیکھتے چلیں کہ عصر جدید جن خوبیوں اور خرابیوں کو لے کر آیا ہے، ان میں اسلام کا کیا مقام ہے؟ کیا اسلام عصر جدید کی قیادت کر سکتا ہے؟ کیا آج کے دور میں بھی اسلام کا نظام عدل قابل عمل ہے؟ کیا اسلامی نظام زندگی انسانوں کو وہ سب کچھ عطا کر سکتا ہے، جس کا مطالبہ آج کا دور کر رہا ہے؟

آج انسان چاند پر کمندیں ڈال رہا ہے، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہا ہے، زمان ومکان کی وسعتیں سمٹی ہوئی ہیں، خلا کی لامتناہی پہنائیوں کو ناپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آج انسان یہ کہتا ہے کہ جو انسان خلاؤں میں پرواز کر رہا ہے، کیا وہ زمین پر اپنا راستہ تلاش نہیں کر سکتا؟ کیا وہ زمین پر بغیر کسی ٹھوکر کے آگے نہیں بڑھ سکتا؟ کیا عقل انسانی ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے کہ ہم کسی نبی کو مانیں، کسی رسول کو مانیں، کسی ایسے پیغمبر کی زندگی کو مانیں جو چودہ سو سال پہلے جلوہ گر ہوئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا سوال ہے جو آج کی دنیا کر رہی ہے۔ پہلے یہ سوال صرف ذہنوں میں تھا، مگر اب میڈیا (Media) پر آ گیا ہے، لٹریچر (literature) میں آ گیا ہے، ذہنوں کو اغوا کیا جا رہا ہے، بہکایا جا رہا ہے کہ اسلام چودہ سو سال پہلے کا مذہب تھا، آج کا نہیں ہے۔ اس لیے اسلامی تعلیمات پارینہ ہو چکی ہیں، بوسیدگی اور کہنگی کا شکار ہو چکی ہیں۔ انہیں چھوڑ دو اور نئے زمانے کی روشنی میں آگے بڑھو۔ میں ان سے کہوں گا ؎

وہ اندھیرے ہی بھلے تھے کہ قدم راہ پہ تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں
برق کے لیم سے اللہ بچائے ہم کو
روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے

آج در و دیوار تو روشن ہو گئے ہیں، مگر دلوں میں اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے، زندگی کی تاریکیاں بڑھتی جا رہی ہیں، انسان مزید ٹھوکروں سے ہم کنار ہو رہا ہے۔ بلاشبہ انسان چاند پہ کمندیں ڈال رہا ہے، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر رہا ہے۔ مگر چاند پہ کمندیں ڈالنے والو! سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنے والو! کیا تم نے زمین پر انسانوں کی طرح چلنے کا سلیقہ سیکھ لیا ہے؟ کیا تم نے زمین کے انسانوں کو محسوس کرنا شروع کر دیا ہے؟ کیا انسانیت کا درد اور سوز تمہارے قلب کے اندر پیدا ہو گیا ہے؟ تم خلاؤں میں پرواز کر رہے ہو، مگر زمین پر بسنے والے انسانوں کو بھون رہے ہو، ان پر آگ برسا رہے ہو۔ اگر رسول پاک کا نظام رحمت کے مطابق چلتے، تو خلاؤں میں پرواز کرتے اور زمین پر پھول برساتے، رحمت کی بارش بن کے برستے اور روئے زمین کو خوشیوں سے بھر دیتے۔

عشق نا پید خرد می گزد صورتِ مار
عقل کو تابعِ فرمانِ نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں ایسا الجھا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

انسان آج تک اس بات کی تعیین نہیں کر سکا کہ اس کے لیے نفع دینے والی اور نقصان پہنچانے والی چیزیں کیا ہیں؟ اس لیے کہ اس نے نفع و نقصان کے خود ساختہ پیمانے متعین کر لیے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چودہ سو سال پہلے نازل ہونے والا قانون عدل و انصاف، آج کے لیے مفید ہے یا نہیں؟ میں عرض کرنا چاہتا ہوں، دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی قانون کا ماخذ کیا ہے؟ اسلامی قانون کا سرچشمہ کیا ہے؟ اسلامی قانون کی بنیادیں کیا ہیں؟

دنیا میں جتنے بھی قوانین پائے جاتے ہیں، خواہ وہ کسی بھی دور کے ہوں، ارسطو کے دور کے ہوں، سقراط کے دور کے ہوں، فلاطیونس کے دور کے ہوں، میگنا کارٹا (Magna carta) کے دور کے ہوں یا آج کے دور کے۔ آپ کسی بھی دور کا قانون لے لیجیے اس کا ماخذ انسانی ذہن ہے، انسانی فکر ہے، انسان کا اپنا شعور ہے، انسان کی ترجیحات ہیں، انسان کا ماحول ہے، انسان کے داعیات ہیں، انسان کے تقاضے ہیں، انسان کی ضروریات ہیں۔ انسان اپنے ماحول میں قانون بناتا ہے، اپنے داعیات کی بنیاد پر بناتا ہے۔ انسان حاضر کے تقاضوں کو دیکھتا ہے، ضروریات کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کے بعد قانون بناتا ہے، لیکن انسان جو قانون بھی بناتا ہے، حال کے شامیانے میں بیٹھ کر بناتا ہے، اسے مستقبل کی خبر نہیں ہوتی، آنے والے زمانے کی خبر نہیں ہوتی، آنے والے دور کی خبر نہیں ہوتی ہے۔ وہ قانون بناتا ہے مگر اپنے مشاہدات کی بنیاد پہ بناتا ہے اور مستقبل کے بارے میں صرف قیاسیات ہوتی ہیں، ظنیات ہوتی ہیں، گیس (Guess) ہوتے ہیں، امکانات ہوتے ہیں۔ مستقبل میں جھانکنے کا شعور نہ انسان کو ملا ہے اور نہ ہی وہ جھانک سکتا ہے۔ کل کیا ہونے والا ہے، کل کے حالات کیا ہوں گے، کل کے تقاضے کیا ہوں گے، کل کی ضروریات کیا ہوں گی، کل کے مطالبے کیا ہوں گے، کل کے داعیات کیا ہوں گے، کل کس طرح کا قانون نافذ کیا جا سکے گا، انسان اس سے واقف نہیں ہے۔ اس لیے قانون بنتا ہے اور دوسرے دن توڑ دیا جاتا ہے، دنیا کی پارلیمنٹس (Parliaments) قوانین بناتی ہیں اور پھر اپنے ہی قانون کو توڑ دیتی ہیں۔

ابھی گزشتہ صدی کے ابتدائی دور میں ایک انقلاب نمودار ہوا، بڑا طوفان خیز

انقلاب تھا، ایک ایسا انقلاب تھا جو مزدوروں کو آواز دے رہا تھا، کمزوروں کو آواز دے رہا تھا، جو پکار کر کہہ رہا تھا

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

وہ آواز دے رہا تھا: مزدورو! آؤ، کمزورو! آؤ، بے کسو! آؤ، بھوکو! آؤ، ننگو! آؤ، آؤ اور اقتدار کا جنازہ نکال دو، تاج و تخت کو ٹھکراؤ اور بادشاہوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھراؤ، اپنے اقتدار کو بچھاؤ، عوام کے ذریعہ سے اشتراک عمل کرو، حکومت میں شامل ہو جاؤ۔ چاہے تمہارا بیٹا بھی تمہارا نہ رہ جائے، چاہے تمہاری بیوی بھی تمہاری نہ رہ جائے، چاہے تمہارا بھائی بھی تمہارا نہ رہ جائے، چاہے تمہارا گھر بھی تمہارا نہ رہ جائے۔ اپنے جذبات کو کچل دو، اپنے احساسات کو روند دو، محبت کے داعیات کو کچل دو، خواہشات کو کچل دو اور حکومت کے ہو جاؤ۔ حکومت کا پرزہ بن کر بے حس مشینوں کی طرح کھیتوں میں کام کرو۔ تمہیں کھانا دیا جائے گا، تمہیں کپڑا دیا جائے گا اور سونے کے لیے چھت دے دی جائے گی، اس کے علاوہ تمہارا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ یہ کمیونزم (communism) تھا، اشتراکیت تھی، جس نے ذہن خریدے، ضمیر خریدے، لٹریچر (literature) خریدے، ادبا اور شعرا کو خریدے۔

میرے بچپن کا زمانہ تھا، جب کمیونسٹوں کا اتنا غلبہ تھا کہ کوئی مذہبی ذہن کا شاعر کسی اسٹیج پر مقبول نہیں ہو سکتا تھا۔ شفیق جون پوری جو اپنے دور کا اقبال تھا، جس کے علم و فن پر ناز کیا جا سکتا تھا، وہ چوں کہ ایک مذہبی خیال کا انسان تھا، ایک مولوی تھا، اس لیے اسٹیجوں پر اسے موقع نہیں دیا جاتا تھا اور وہ شعرا، جنہیں نہ بحر کا شعور تھا، نہ ادب کا شعور تھا، نہ عروض کا شعور تھا، نہ انہیں تقطیع و پیمائش کا شعور تھا، نہ فصاحت و بلاغت تھی، وہ رشیہ کے تنخواہ کار، جس کے نتیجے میں وہ اچھلے ہوئے تھے، ماحول پر غالب تھے۔

یہی حال مصر کا تھا، یہی حال یورپ کا تھا۔ ادبا خریدے گئے، ذہن خریدے گئے، فکر خریدی گئی، شعور خریدے گئے اور کمیونزم کو غالب کرنے کی کوشش کی گئی، مگر آپ نے دیکھا کہ ستر سال کے اندر اندر لینن کا بت گرا دیا گیا، اسٹالن (Stalin) کی لاش پر رشک کرنے والے موجود ہو گئے اور کمیونزم ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ اس انقلاب کو برپا کرنے کے لیے لاکھوں جانیں گوائی گئیں، کروڑوں افراد کو گھروں سے محروم کیا گیا، سائبیریا کے وحشت زدہ علاقوں میں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ آج اگر لینن اور اسٹالن زندہ ہوتے تو میں ان سے پوچھتا کہ ظالم! ان کروڑوں انسانوں کی جانوں کا حساب کون دے گا، جن کو تم نے اپنے قانون، اپنے نظام اور اپنے آئین کی صلیب پر چڑھایا ہے؟

کبھی دور شہنشاہیت تھا، پھر قبائلی دور اور اس کے بعد جمہوریت کا دور آیا، دوسرے ادوار بھی آتے رہے۔ ہر دور میں قوانین بدلتے رہے، ضابطے بدلتے رہے، زندگی کے پیمانے بدلتے رہے، زندگی کا آئین بدلتا رہا، زندگی کا انداز بدلتا رہا، ترجیحات بدلتی رہیں، داعیے بدلتے رہے، قانون میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ آیئے عائلی قانون کے اعتبار سے بہت منظّم ایک قوت کا جائزہ لیں، آپ جانتے ہیں کہ چرچ یقیناً ایک بہت مضبوط قوت ہے۔ یہاں تو یہ عالم ہے کہ کعبہ کا امام آتا ہے، تو لوگ استقبال کے لیے نہیں جاتے اور وہاں یہ عالم ہے کہ ابھی چند روز پہلے رومن کیتھولک چرچ کا پادری یورپ کے دورے پر آیا تھا، تو پورا یورپ اس کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب کو لے کے چلنا جانتے ہیں۔ رومن کیتھولک اور پروٹیسٹن میں اس قدر اختلاف ہے کہ دونوں آج تک کبھی جمع نہیں ہوئے۔ ان کی شادیاں الگ، ان کا بیاہ الگ، ان کے چرچیز (Churches) الگ، ان کے معمولات الگ۔ مگر جب رومن کیتھولک کا پادری آیا، تو پورا پروٹیسٹن طبقہ اس کے استقبال کے لیے موجود ہے۔ اس لیے کہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت سے خوف زدہ ہیں، وہ متحد ہو کر

اسلام کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔

آج ہمارا یہ عالم ہے کہ بیس سال سے ہمارا اجتماع اسی میدان میں ہو رہا ہے، اگر تمہیں اتحاد کی دعوت دینی ہے، جیسا کہ تم نے تقریر میں کہا ہے، تو تمہیں بھی انہیں دنوں میں جلسہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم اتحاد کی دعوت دینے کے لیے اسپیشل جہاز پر چڑھ کے آئے ہو؟ چارٹرڈ فلائیٹ (chartered flight) پر چڑھ کے آئے ہو؟ میرا امیر موٹر سائیکل (Moter Cycle) پہ چلتا ہے، ڈھائی سو گز کے مکان میں رہتا ہے اور جب وہ آواز دیتا ہے تو ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود ہے۔

تم عشق مصطفیٰ کا مقابلہ کرنا چاہتے ہو؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس مقدس جذبے کے مقابلے میں جب بھی دنیا کی کوئی قوت آئی ہے، تو سرخمیدہ ہو کر رہ گئی ہے۔ تمہیں اتحاد کی بات کرنی ہی تھی تو کسی اور روز جلسہ رکھ لیتے۔ میڈیا اور اخبارات کو خرید کر تم نے یہ سوچا تھا کہ ہم انسانوں کا ضمیر خرید لیں گے۔ یاد رکھو! بکا وہ کرتا ہے جو بازار مدینہ میں نہ بک چکا ہو اور جو بازار مدینہ میں بک چکا ہو، اسے دنیا کی کوئی طاقت خرید نہیں سکتی ہے۔ ؎

جب تک بکے نہ تھے تو کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کر ہمیں انمول کر دیا

یہ ہماری بوریا نشین قوم ہے، یہ ہماری فاقہ کش قوم ہے، جو دو روز سے زمین پر بیٹھی ہے، ہم نے کرسیاں نہیں بچھائی ہیں، ان کے لیے ایئر کنڈیشنر (Air Conditioner) نہیں لگایا ہے، عشرتوں کے سامان فراہم نہیں کیے ہیں۔ ہم بھی چاہتے تو دنیا کے بڑے بڑے مفکرین کو بلا سکتے تھے، بلاشبہ آپ کا یہ خادم دنیا کی ہر ایسی شخصیت کو جانتا ہے، جو دنیا میں دین کا کام کر رہی ہے، لیکن ہمارے پاس اتنے وسائل کہاں ہیں؟ ہم تو خود آتے ہیں، تو اپنے تقاضوں کے ساتھ آتے ہیں، اس لیے کہ ہم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ اتحاد

کے نام پر انتشار پھیلانے والوں کو بھی عقل سلیم دے کہ وہ اپنا یہ ڈرامہ بند کریں، پروگرام وہ ضرور کریں، مگر ہماری تاریخوں میں نہیں، ہم بیس سال سے مسلسل کرتے چلے آرہے ہیں۔

عزیزان ملت اسلامیہ! چرچ کا قانون یہ تھا کہ جسے اللہ نے جوڑا ہے اسے نہ توڑا جائے، شادی ہو جائے تو پھر طلاق نہیں ہو سکتی اور وہ لوگ اسلام کا مذاق اڑاتے کہ یہ کیسا مذہب ہے جو طلاق کی اجازت دیتا ہے۔ صدیوں مذاق اڑایا گیا، لیکن جب دیکھا کہ شادیاں کامیاب نہیں ہوتیں، تو انہوں نے ایک شرط لگائی کہ اگر دونوں میں سے کوئی ایک زنا کاری میں مبتلا ہو جائے تو طلاق دے سکتا ہے، ہوا ایسا کہ دال میں نمک ہو گیا یا روٹی خراب ہو گئی، تو مقدمہ زنا کا پیش کیا گیا اور جب عدالتیں زنا کی بدبو سے بھر گئیں، تب جا کر اس صدی میں یہ قانون بنایا گیا کہ جب نہ نبھنا ہو تو طلاق دے دی جائے۔ وہیں پہنچے جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چودہ سو سال پہلے لے گئے تھے۔

ہمارا ملک جو محبتوں کی سرزمین ہے، رواداری کی سرزمین ہے، خاندانوں کی سرزمین ہے، پڑوسیوں سے محبت کی سرزمین ہے۔ ہمارا ملک ہزاروں سال سے محبتیں بانٹتا رہا ہے، مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ اب ہمارے ملک کا یہ حال ہو گیا ہے کہ یہاں جہیز کے لیے بچیوں کو زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ تم نے ماں باپ کی جائیداد میں بچی کا حق مخصوص نہیں کیا، اگر ماں باپ کی جائیداد میں بچی کا حق محفوظ ہوتا تو سسرال والے یہ سوچتے کہ اگرچہ یہ لے کر نہیں آئی ہے، مگر اس کا باپ مرے گا تو اس کا حصہ ملے گا۔ اس طرح زندگی کا ایک حق اسے بھی دیا جاتا۔ سنا ہے کہ اب نظام میں کچھ تبدیلی کی بات چل رہی ہے، خدا کرے جلد ہی ایسا ہو جائے، لیکن یہ بھی عرض کر دوں کہ اگر میراث کے نظام میں تبدیلی نہ کی گئی بچیوں کو زندہ جلنے سے نہ پولیس روک سکے گی، نہ عدلیہ اور نہ ہی کوئی قانون۔ اگر تم نے کنیا دان کے ساتھ ساتھ باپ کی جائیداد میں بیٹی کا حصہ بھی متعین کیا ہوتا، تو یہ بے قصور

بچیاں موت سے ہم کنار نہ ہوتیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے ہی اس نظام کو ہمیشہ کے لیے مستحکم کر دیا کہ باپ، بھائی، ماں اور بیٹے کی جائیداد میں عورت کا حق محفوظ کر دیا گیا ہے، جب بھی کوئی اس دنیا سے رخصت ہوگا، تو ماں کی حیثیت سے، بہن کی حیثیت سے، بیٹی کی حیثیت سے اسے میراث کا حصہ ملے گا۔ دیگر قوانین نے بیٹی کی شادی کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے سر سے اس کی چھت کو ہٹا دیا، مگر اسلام نے اسے ہمیشہ کے لیے چھت دے رکھا ہے۔ میں مسلم پرسنل لا (Muslim Personal Law) کے حوالے سے ۱۹۷۰ء میں بولا کرتا تھا کہ تم اس بات کے لیے پریشان ہو کہ طلاق کے بعد بیٹی کہاں جائے گی، میں یہ کہتا ہوں ہماری بیٹی ہمارے گھر آئے گی، اس کی چھت بھی محفوظ ہے اور اس کا حصار بھی محفوظ ہے۔

میرے عزیز ساتھیو! دنیا میں قوانین بدلتے رہتے ہیں اور آئے دن بدلیں گے۔ آج ہی مطالبہ کیا گیا ہے کہ عورتوں کو زندہ جلانے والوں کے لیے موت کا فیصلہ کیا جائے، اس کے بغیر یہ جرم بند نہیں ہوگا۔ میں عرض کروں گا کہ موت کے فیصلہ کے ساتھ ساتھ حرص کی اس آگ کو بجھانے کی بھی کوشش کرو جس کے لیے انہیں جلایا جاتا ہے۔

دنیا کے قوانین میں روز بہ روز نہ جانے کتنی تبدیلیاں ہوتی ہیں، دنیا اپنے قوانین کو تبدیل کرنے پر مجبور ہے۔ جب حالات بدلتے ہیں، تقاضے بدلتے ہیں، ضرورتیں بدلتی ہیں، تو ان کے مطابق دنیا اپنے قانون کو بدلنے پر مجبور ہو جاتی ہے، اس لیے کہ انسان آج کو دیکھتا ہے، کل کو نہیں دیکھتا، انسان کے بنائے ہوئے قوانین کا ماخذ انسانی ذہن ہے، ہیومن اجینسی (Human Agency) ہے، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں، مگر اسلام کا قانون اس خدا کا نافذ کیا ہوا ہے جو ہر دور کو دیکھ رہا ہے، ہر عصر کو دیکھ رہا ہے، ہر زمانے کو دیکھ رہا ہے۔ ماضی ہو یا مستقبل ہو یا حال، سب کے سب اس کی بارگاہ میں بندگی کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے ہر

وقت حاضر ہیں، وہ زمانے کا خالق ہے، اس لیے وہ جو قانون عطا فرمائے گا، اسے کوئی زمانہ توڑ نہیں سکتا۔ نہ اسے ماضی چیلنج (Challenge) کر سکتا ہے، نہ حال اور نہ ہی مستقبل، اس لیے کہ اسلام کا قانون ڈیوائن سورسیز (Divine Sources) کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، اسلام کا قانون وحی الٰہی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، اسلام کا نظام عدل اللہ تبارک وتعالیٰ کے نازل کیے ہوئے قرآن کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ نہ قرآن بدلا جائے گا اور نہ ہی قرآن کا قانون بدلا جائے گا۔

آپ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کا کوئی بھی ایسا قانون نہیں دکھا سکتے، جس کی اصل میں قرآن پاک میں نہ دکھا دوں، میں قرآن مقدس کا ایک معمولی طالب علم ہوں، میں نے چند آیتیں رٹی ہیں، آیتوں کے ساتھ ان کا حوالہ بھی نہیں یاد ہے، پھر بھی یہ دعویٰ کر رہا ہوں۔ میں نے شعور وفکر کی روشنی میں قرآن مقدس کا مطالعہ کیا ہے، اس لیے میں دعویٰ کرتا ہوں کہ دنیا کا کوئی بھی قانون دکھاؤ، جس سے بہتر قانون میں کتاب الٰہی میں نہ دکھا دوں۔ قرآن خود فرماتا ہے: **اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا** ۔ وہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے، اور اگر وہ اللہ کے علاوہ اور کسی کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت سارے اختلافات پاتے۔

قرآن مقدس کا عالم تو یہ ہے کہ سوالات آج پیدا ہو رہے ہیں، جواب چودہ سو سال پہلے سے موجود ہیں، مسائل آج پیدا ہو رہے ہیں، جواب چودہ سو سال سے موجود ہیں۔ فتنے آج اٹھ رہے ہیں، جواب چودہ سو سال پہلے سے موجود ہیں۔ کمیونزم آج کا فتنہ ہے، جواب قرآن میں دیکھو۔ الحاد آج کا فتنہ ہے، جواب قرآن میں دیکھو۔ بے دینی آج کا فتنہ ہے، جواب قرآن میں دیکھو۔ مغربیت آج کا فتنہ ہے، جواب قرآن میں دیکھو۔ بے عزتی آج کا فتنہ ہے، جواب قرآن میں دیکھو۔ عصمت دریاں آج کا فتنہ ہیں، جواب قرآن میں دیکھو،

حل قرآن میں دیکھو۔ معاشی بحران آج کا فتنہ ہے، جواب قرآن میں دیکھو۔ سرمایہ کا مٹنا آج کی ضرورت ہے، جواب قرآن میں دیکھو۔ اوزون لیئر ٹوٹ رہا ہے، جواب قرآن میں دیکھو۔ چاند پہ کمندیں ڈالی جارہی ہیں، قرآن میں اس کا حل تلاش کرو۔ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا جارہا ہے، وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ کا مطالعہ کرو۔ عقل وشعور کی بنیاد پر فیصلہ کرنے والو! اَ فَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ اور اَ فَلَا تَعْقِلُوْنَ کا مطالعہ کرو۔

قرآن فکر کو مخاطب کررہا ہے، قرآن شعور کو مخاطب کررہا ہے، قرآن ادراک کو مخاطب کررہا ہے۔ تم عقل سے کیوں نہیں کام لیتے، تم فکر سے کیوں نہیں کام لیتے، تم شعور سے کیوں نہیں کام لیتے، تم ادراک سے کیوں نہیں کام لیتے، تم مشاہدے سے کیوں نہیں کام لیتے، تم تفکر سے کیوں نہیں کام لیتے، تم تجربے سے کیوں نہیں کام لیتے، تم زمین پر گھوم کر کائنات کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے، تم زمین کی سطح میں اتر کر قدرت الٰہی کیوں نہیں دیکھتے، تم خلاؤں کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے، تم سیاروں کی گردش کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے، تم شمس وقمر کی رفتار کا جائزہ کیوں نہیں لیتے، تم ماورائے سماوات تسبیح کرنے والی مخلوق کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے، تم ایلینس کے بارے میں سوچ رہے ہو موجود ہیں یا نہیں، قرآن کہتا ہے: ایک مخلوق ما ورائے سماوات بھی موجود ہے، جو اللہ کی تسبیح اور اس کا ذکر کررہی ہے۔ تم یہ کہتے ہو کہ ہم چاند پہ کمندیں ڈال کر اس تک پہنچ رہے ہیں، قرآن کہتا ہے: لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ، تم یقیناً رفتہ رفتہ آسمانوں پر پہنچو گے اور طبقوں کو فتح کرتے چلے جاؤ گے۔

قرآن پاک چودہ سو سال پہلے نازل ہوا ہے، مگر ہمارے ازدواجی قوانین، ہمارے معاشرتی قوانین، ہمارے تمدنی قوانین، ہمارے عادلانہ قوانین آج کے دور کے لیے دنیا کے سب سے بہتر قوانین ہیں، ان سے بہتر قوانین کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

یاد رکھو! عادلانہ نظام وہاں ظالمانہ نظام میں تبدیل ہوتا ہے، جہاں حرص وہوا کی

حکومت ہوتی ہے، جہاں خواہشات کی حکومت ہوتی ہے، جہاں انسان اپنی خواہشات کو قانون پر غالب سمجھتا ہے، جہاں اپنی خواہشات کی ترجیحات ہوتی ہیں، جہاں انسان اپنی خواہشات کے مطابق قانون کو توڑنا چاہتا ہے، تو کبھی عقل کا سہارا لے کر، کبھی قوت کا سہارا لے کر، کبھی قانون کی تشریح کا سہارا لے کر اپنی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے۔ لارڈ نے کہا تھا: عقل کیا ہے؟ یہ تو ہماری خواہشات کی غلام ہے، ہماری خواہشات جو کچھ چاہتی ہے، عقل اس کی تائید کرتی ہے، عقل اس کے لیے راہیں ہموار کرتی ہے۔ خواہشات نفسانیہ آج کے دور کا سب سے بڑا مسئلہ ہیں، ہر ظلم خواہشات نفسانیہ ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

آج کے حالات ایسے ہیں کہ اگر کوئی انسان اقتدار باقی رکھنا چاہتا ہے تو ظلم کرتا ہے، سرمایہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو ظلم کرتا ہے، دولت حاصل کرنا چاہتا ہے تو ظلم کرتا ہے، عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو عدل کے خلاف جاتا ہے، اپنی خواہش کی تکمیل کرنا چاہتا ہے تو زنا کرتا ہے، اغوا کرتا ہے۔ آج جتنے بھی گناہ ہورہے ہیں، ان سب کی وجہ صرف اور صرف خواہش انسانی ہے۔ اور دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے جس نے خواہشات انسانی کو کنٹرول کرنے کے لیے کوئی ضابطہ دیا ہو، کوئی نظام دیا ہو۔ یہ تنہا اسلام ہے جو کہتا ہے: وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى، جو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے روکے رکھا، اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔ اور اس کی تشریح تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میرے لائے ہوئے قانون اور نظام کی تابع نہ ہوجائیں۔

آج جرائم ہورہے ہیں، غلطیاں ہورہی ہیں، گناہ ہورہے ہیں، مگر ان پر قابو پانا ناممکن ہوتا چلا جارہا ہے۔ معاشرہ آگے بڑھ رہا ہے، دولت کی ریل پیل ہے، فیکٹریاں خزانے

اگل رہی ہیں، کارخانے سرمایہ پیدا کر رہے ہیں، انسان بے پناہ دولت مند ہو رہا ہے، مگر جرائم بھی بڑھ رہے ہیں، گناہ بھی بڑھ رہے ہیں اور عالم یہ ہے کہ گناہوں کو روکنے کے جتنے بھی ممکنہ طریقے تھے، انسان نے اپنی عقل وشعور کے مطابق سب کو آزما کر دیکھ لیا ہے۔

آج جیل بھی ہے، پولیس کا نظام بھی ہے، ڈیٹیکٹیو (Detective) کا نظام بھی ہے، جاسوسی کا نظام بھی ہے، گرفتاریاں بھی ہیں اور ٹارچر سیل بھی ہیں، اس کے باوجود جرائم بڑھ رہے ہیں، زنا کاریاں بڑھتی جا رہی ہیں، چوریاں اور ڈکیتیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ ۱۹۶۰ء سے پہلے ممبئی میں مہینے دو مہینے میں کہیں ایک آدھ جرم کی خبر ملتی تھی، مگر اب کوئی ایسا دن نہیں گزرتا، جس میں کوئی جرم نہ ہوا ہو، کوئی اغوا نہ ہوا ہو، کوئی زنا کاری نہ ہوئی ہو، کوئی قتل و غارت گری نہ ہوئی ہو، کوئی چوری اور ڈکیتی نہ ہوئی ہو۔ اس قدر ترقی کے باوجود گناہ کیوں بڑھتے جا رہے ہیں؟ برائیاں کیوں بڑھتی جا رہی ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ تم اپنے قانون کے ذریعہ مجرموں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تو پہنا سکتے ہو، پیروں میں بیڑیاں تو ڈال سکتے ہو، جسم کے اعضا کو پابند تو کر سکتے ہو، مگر تمہارے پاس کوئی ایسا قانون نہیں ہے، جس کے ذریعہ دل کو پابند سلاسل کر سکو۔ وہ تنہا قرآن عظیم ہے، جو کہتا ہے: **اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ**، بے شک نماز انسان کو تمام برائیوں اور بے حیائیوں سے روک دیتی ہے۔

دنیا کا قانون ہاتھوں میں زنجیریں ڈالتا ہے، مگر اللہ کا قانون دل کو زنجیر پہنا دیتا ہے، دل کی دنیا کو بدل دیتا ہے۔ دنیا در بدلتی ہے، اسلام دل بدلتا ہے۔ یہ بڑا فرق ہے اسلام میں اور دنیا میں۔ ایک قانون نہیں، تو دوسرا قانون، ایک پارٹی نہیں، تو دوسری پارٹی، ایک حلقہ نہیں، تو دوسرا حلقہ، ایک ترجیح نہیں، تو دوسری ترجیح۔ دنیا در بدل کر انسان کی اصلاح کرنا چاہتی ہے اور اسلام دل بدل کر اصلاح کرنا چاہتا ہے۔

حضور رحمت عالم تاجدار مدینہ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحرا

سے گزر رہے ہیں، آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ باری باری ایک پتھر کو دھکا دے رہے ہیں، آپ نے پوچھا: کیا کر رہے ہو؟ کہا: **لِنَعْلَمَ اَیُّنَا اَقْوٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ**، ہم پتھر کو اس لیے دھکا دے رہے ہیں تاکہ ہم جانیں کہ ہم دونوں میں سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟ یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بتا دوں طاقت کا معیار کیا ہے؟ **اَلشَّدِیْدُ مَنْ غَلَبَ عَلٰی نَفْسِہٖ**، طاقت ور وہ ہے جو اپنے دل پر قابو پالے، اپنی خواہشات پر غالب ہو جائے۔ اگر تم پتھر کو دھکا دینے کا نام طاقت وری رکھ دیا تو ہو سکتا ہے کہ تمہارا ہاتھ اپنی طاقت کی بنیاد پر کسی کا قتل کر دے، کسی کو طمانچہ مارے، کسی کی آبرو لوٹے۔ لیکن اگر دل کے طاقت ور بن گئے تو ہاتھ اٹھے گا تو محبت کے لیے اٹھے گا، مدد کے لیے اٹھے گا، سہارا دینے کے لیے اٹھے گا، پھول برسانے کے لیے اٹھے گا۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں

نہ مرد است آن بہ نزدیک خردمند
کہ با پیل دماں پیکار جوید
بلے مرد آں کس ست زروے تحقیق
کہ چوں خشم آیدش باطل نہ گوید

مست ہاتھی کے ساتھ لڑائی کرنے والا جواں مرد نہیں، جواں مرد تو درحقیقت وہ ہے جو غصے کے وقت اپنی زبان کو کنٹرول کر لے اور برا بھلا نہ کہے۔

قرآن مقدس ارشاد فرماتا ہے: **لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ، اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ**، میں قیامت کے دن اور نفس لوامہ کی قسم یاد کرتا ہوں۔ یہ نفس لوامہ کیا ہے؟ نفس لوامہ وہ ہے جو نفس امارہ کو برائیوں پر تنبیہ کرتا ہے، نفس امارہ کو پابند زنجیر کرتا ہے، نفس امارہ کو کنٹرول کرتا ہے اور جب نفس لوامہ طاقت ور ہو

جاتا ہے تو نفس مطمئنہ بن جاتا ہے اور قرآن کہتا ہے: یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ،اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ جا، اس طرح کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، تو میرے خاص بندوں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

نفس مطمئنہ جسے نصیب ہو جاتا ہے، اسے دنیا کی کوئی طاقت غم زدہ نہیں کر سکتی ہے۔ نفس مطمئنہ والوں کے بارے میں فرمایا گیا: اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ،آگاہ ہو جاؤ، اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ غم ہوتا ہے۔

نفس مطمئنہ کا یہ عالم ہے، خدا کرے ہم سب کو نفس مطمئنہ میسر آ جائے۔ یہ نفس مطمئنہ عشق رسول کی بزم میں میسر آتا ہے، اس لیے کہ نفس کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، نفس کے کچھ داعیے ہوتے ہیں، اگر آپ اپنے نفس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جھکا دیں گے، تو کبھی بھی دنیا آپ کے نفس کا اغوا نہ کر سکے گی اور آپ کے نفس کو دھوکہ نہ دے سکے گی۔ قرآن فرماتا ہے: وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰھَا فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَ تَقْوٰھَا، نفس کی جانب فجور کا بھی الہام کیا جاتا ہے اور تقویٰ کا بھی، مگر بارگاہ رسول میں پہنچنے کے بعد فجور کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور صرف تقویٰ باقی رہتا ہے۔

خواہشات نفسانیہ جرائم کا سب سے بڑا سبب ہیں، خواہشات ہی ہیں جو قانون کی توجیہات کرتی ہیں۔ ایک ہی قانون کسی کو پھانسی پر چڑھا دیتا اور وہی قانون کسی کو آزاد کر دیتا ہے۔ ایک ہی قانون مجرم کو بھی سزا دلواتا ہے، وہی قانون غیر مجرم کو بھی سزا دلواتا ہے۔

قانون کو ناکام بنانے کی دوسری وجہ رشوت ہے۔ رشوت کی بنیاد پر دنیا کے ہر ملک میں قوانین کو مِس یوز (Misuse) کیا جا رہا ہے، قوانین کو توڑا جا رہا ہے، قوانین کو برباد کیا جا رہا ہے۔ مگر اسلام نے قانون دینے سے پہلے ان سارے موانع اور رکاوٹوں کو دور کر دیا ہے،

جن سے قانون کی غلط توجیہ کی جا سکے۔

قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے: وَ لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِھَا اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ،ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ اور اپنے مال کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس لیے نہ پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال جان بوجھ کر ناجائز طور پر کھا لو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اَلرَّاشِیْ وَ الْمُرْتَشِیْ کِلَاھُمَا فِی النَّارِ ،رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ رشوت دینے والا تو مجبور ہوتا ہے، اپنی ضرورت کے لیے کرتا ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ اگر پوری دنیا رشوت نہ دینے کا فیصلہ کر لے تو رشوت لینے والے ہاتھ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جائیں گے اور ہر کوئی انصاف کی راہ اختیار کر لے گا۔

ایک یہودی ایک مسلمان عورت کو شہید کر دیتا ہے اور مسلمان اس کے خلاف کوئی گواہی فراہم نہیں کر سکے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قانون اسلامی شہادتوں کی بنیاد پر ہے، اس لیے اگر تم گواہی نہیں فراہم کر سکتے تو میں یہودی کو سزا نہیں دے سکتا۔ میں اس مقتول عورت کے ورثہ کو دیت اپنی طرف سے ادا کرتا ہوں۔

کیا دنیا کے کسی قانون میں اس طرح کی مثال موجود ہے۔ دنیا کی کورٹ کی تو یہ کیفیت ہے کہ وہ فیصلے میں تاخیر کرتی ہے، یہاں تک کہ مشتبہ کے خلاف ثبوت فراہم کرنے میں سالہا لگا دیتی ہے۔ مگر اسلام کے نظام عدل کا عالم یہ ہے کہ وہ مشتبہ کو فوراً چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر خوں بہا اپنی جیب سے بھی ادا کرنا پڑے، تو پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ادا کر رہے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دور خلافت کی بات ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف میں بوریے پر بیٹھے ہوئے ہیں، وہ مقدس وجود جس نے اس وقت کی دوسوپر پاور (Super Power) حکومتوں قیصر وکسریٰ کو اپنے قدموں میں جھکا دیا ہے، انہیں اپنی عظمتوں کا اعتراف کرنے پر مجبور کیا ہے، وہ ذات جن کی حکومت دنیا کے کم وبیش بیس لاکھ میل کے خطے پر پھیلی ہوئی ہے، وہ بوریے پر بیٹھے ہوئے ہیں، پیٹھ پر بوریے کے نشانات ہیں، جناب علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود ہیں اور کسی مقدمے کا فیصلہ ہو رہا ہے۔ جناب عمر کہتے ہیں: علی! مجھے یقین ہے کہ یہ شخص مجرم ہے، اسے سزا ملنی چاہیے۔ جناب مولائے کائنات نے کہا: اگر آپ سزا دیں گے تو شہادت کہاں سے فراہم کریں گے؟ اور اگر شہادت نہیں فراہم کرسکیں گے تو آپ کو الزام عائد کرنے کی سزا میں اَسّی دُرّے لگائے جائیں گے۔ یہی وہ موقع تھا جب عمر فاروق نے کہا: **لَوْ لَا عَلِیٌّ لَّهَلَکَ عُمَرٌ**، اگر علی نہ ہوتے تو آج عمر غلط فیصلے کی وجہ سے ہلاک ہوگیا ہوتا۔

اسلام کے نظام عدل ومساوات کی تاریخ میں ہزاروں مثالیں موجود ہیں، جناب عمر کی خاندان کے ایک فرد نے شراب پی تو عمر فاروق نے اپنے خاندانی رشتے کی پرواہ کیے بغیر اسے وہی سزا دی جو شراب پینے والوں کو دی جاتی ہے۔ یہ بھول گئے کہ یہ میرے خاندان کا ہے اور کہیں نہ کہیں سے اس کا خون مجھ سے ملتا ہے۔ لوگ اس واقعہ کو جناب عمر کے بیٹے کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر میں نے اس کی اصل کہیں نہیں پائی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کی خاندان کا ایک فرد تھا۔

خلافت ختم ہوئی بادشاہت آئی، مغلوں کی شکل میں، عباسیوں کی شکل میں، امویوں کی شکل میں، فاطمین کی شکل میں، مگر عہد نبوت کے بعد سے بارہ سو سال تک عہد خلافت کے مطابق ہی انصاف ملتا رہا، کسی بھی قسم کی بے انصافی اس لیے نہیں ہوئی کہ قرآن

نے جو ضابطہ مقرر کردیا تھا اس سے اگر کوئی بادشاہ انحراف کرتا، تو لوگ بادشاہ کی پشت سے گزر جاتے، یہی وجہ تھی کہ کوئی حکم راں قرآن سے انحراف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ یہی وہ نظام تھا جو ۱۹۳۷ء میں برٹیش (British) حکومت کو اس بات پر مجبور کررہا تھا کہ مسلم پرسنل لاء (Muslim Personal Law) کے مکمل حقوق مسلمانوں کو دیے جائیں اور موت و وراثت، نکاح وطلاق، خلع، تجہیز وتکفین، قرض ودین وغیرہ کے جو بھی دفعات مسلم پرسنل لاء میں آتے ہیں، یہ سارے دفعات انہوں نے اس لیے تسلیم کرلیا تھا کہ مسلمان ان کے کورٹس میں جاتا ہی نہیں تھا، سارے فیصلے اپنے قاضیوں اور علما سے کروالیتا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہماری کورٹس (Courts) خالی ہوگئی ہیں، تو مجبوراً انہیں مسلم پرسنل لاء کو تسلیم کرنا پڑا۔ آج بھی دنیا کے مختلف ممالک میں اس بات کی کوشش ہورہی ہے کہ مسلم پرسنل لاء کو تبدیل کر دیا جائے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ اول تو یہ ہونا ہی نہیں چاہیے اور اگر ہو بھی جائے تو خبردار! ایسی کورٹس میں اپنے مقدمات ہرگز مت لے جانا جہاں شریعت اسلامیہ کے خلاف فیصلے ہوتے ہوں۔ تم اپنے فیصلے اپنے علما سے کروانا، اپنے قاضیوں سے کروانا۔

میں اپنے علما سے کہوں گا، یہ اجتماع بڑی چیلنجی صورت میں کیا جارہا ہے، ہمارے سامنے متعدد چیلنجیز ہیں۔ ایک طرف بے پناہ سرمایہ اور دولت ہے اور ایک طرف بوریا نشین حضرات ہیں۔ آج تو متحد ہوکر یہاں آئے ہوتے، آج تو اتحاد کا مظاہرہ کیے ہوتے۔ یہ غیرت ملی کا سوال ہے، یہ تمہارے عقیدے کی عظمت کا سوال ہے۔ آئندہ سال پھر یہ اجتماع یہیں ہوگا، میں اس میں پوری ملت کو یہاں دیکھنا چاہتا ہوں، تمام علمائے اہل سنت کو یہاں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کے دلوں میں میرا تھوڑا بھی احترام ہو تو اس بات کا ضرور خیال رکھنا۔

و ما علینا الا البلاغ المبین